میں مذکور ہے۔ بلکہ ہم لوگ جیٹھ کی گرمیوں میں روزے رکھتے ہیں اور ہم کو زیادہ ایذا نہیں پہنچتی ہے۔ باوجودیکہ گرمی ہمارے ملک کی خصوصاً دن دوپہر کی گرمی عراق کی گرمی سے کم نہیں ہے بلکہ بعض ہمارے شہروں کی گرمی کیا عجب ہے کہ وہاں سے زیادہ ہو۔" (ماتین ص ۳۷)

(۲) ان زکریا سال اللہ ربہ ان یعلمہ اسماء الخمسہ فاھبط الیہ جبرئیل فعلمہ ایاھا فکان زکریا اذا ذکر محمداً و علیاً و فاطمۃ والحسن سری عنہ ھمہ و انجلی کربہ و اذا ذکر اسم الحسین خنقتہ العبرۃ فقال ذات یوم الٰھی مالی اذا ذکرت اربعۃ منھم تسلیت باسمائھم من ھمومی و اذا ذکرت الحسین تدمع عینی وتثور زفرتی فانباہ

جناب زکریا نے خدا سے دعا کی کہ پنجتنؑ کے نام ان کو بتائے جائیں جبرئیل امینؑ نے آکر وہ اسما بتائے۔ جناب زکریا جب محمدؐ و علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ کا ذکر کرتے تھے تو اس سے آپ کا ہم و غم دور ہو جاتا تھا۔ مگر حسینؑ کا نام لینے سے رقت طاری ہوتی تھی اور رونے لگتے تھے۔ ایک دن عرض کیا پروردگارا میں چار ناموں کو یاد کرتا ہوں تو مجھے تسلی ہوتی ہے رنج و غم دور ہو جاتا ہے اور حسینؑ کا نام لینے سے آنسو بہنے لگتے ہیں آتش غم بھڑکنے لگتی ہے۔ خداوند عالم نے ان کو واقعہ حسینؑ سے مطلع کیا اور فرمایا کہیعص کی سے

الله تبارک و تعالیٰ من قصته و قال کهیعص فالکاف اسم الکربلا والهاء هلاک العترة الطاهرة والیاء یزید و هو ظالم الحسین والعین عطشه والصاد صبره الخ

کربلا۔ ہا سے ہلاکت عترت طاہرہ، یا سے یزید قاتل حسین اور عین سے عطش اور صاد سے صبر حسینی کی جانب اشارہ فرمایا ہے

(بحار جلد عاشر ص ۱۵۱)

روی ان اسماعیل کانت اغنامه ترعی بشط الفرات فاخبره الراعی انها لا تشرب الماء من هذه الشریعة منذ کذا یوما فسأل ربه عن سبب ذلک فنزل جبرئیل و قال یا اسماعیل سل غنمک فانها تجیبک عن سبب ذلک فقال لها لم لا تشربین من هذا الماء فقالت بلسان فصیح قد بلغنا ان ولدک الحسین سبط محمد یقتل هنا

(۳) مروی ہے کہ حضرت اسماعیل کی بھیڑیں فرات کے کنارے چرتی تھیں۔ چرواہے نے آکر حضرت کو مطلع کیا کہ کئی دن سے بھیڑیں اس گھاٹ سے پانی نہیں پیتیں۔ حضرت اسماعیل نے خداوند عالم سے اس کا سبب دریافت کیا۔ جبرئیل نازل ہوئے اور کہا آپ انہیں بھیڑوں سے پوچھئے وہ اس واقعہ کا سبب بتا دینگی۔ تب حضرت اسماعیل نے بھیڑوں سے پانی نہ پینے کا سبب پوچھا تو وہ بزبان فصیح گویا ہوئیں کہ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ آپ کا فرزند محمد کا نواسہ حسین اس جگہ پیاسا شہید

عطشانا فنحن لا نشرب من هذه المشرعة حزنا علیه الخ

کیا جائے گا۔ لہذا ہم حسینؑ کے غم میں اس گھاٹ سے پانی نہیں پئیں گے۔

(۴) حضرت موسیٰؑ کو واقعہ شہادت کربلا کی جو خبریں پروردگار عالم کی طرف سے دی گئیں، ان کے ذیل میں یہ خبر بھی تھی۔

یا موسیٰ صغیرھم یمیتہ العطش و کبیرھم جلدہ منکمش یستغیثون ولا ناصر الخ

(بحار صفحہ ۱۶۹)

اے موسیٰ ان کے بچوں کو پیاس مار ڈالے گی اور بڑوں کی کھال پارہ پارہ ہو گی۔ وہ صدائے استغاثہ بلند کرتے ہونگے مگر ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

(۵) عن داؤد الرقی قال کنت عند ابی عبد اللہ اذا استسقی الماء فلما شربہ رأیتہ قد استعبر و اغرورقت عیناہ بدموعہ ثم قال لی یا داؤد لعن اللہ قاتل الحسینؑ فما من عبد شرب الماء فذکر الحسینؑ ولعن قاتلہ الا کتب اللہ لہ مأۃ الف حسنۃ و حط عنہ مأۃ الف

(۵) داؤد رقی سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں ایک دن جناب ابو عبد اللہ جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا حضرت نے پانی طلب فرمایا جب پینے لگے تو میں نے دیکھا آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ پھر مجھ سے فرمایا اے داؤد! خدا قاتلان حسینؑ پر لعنت کرے۔ جو بندہ خدا پانی پینے میں حسینؑ کو یاد کرے گا اور ان کے قاتل پر لعنت بھیجے گا خدا اس کے نامۂ اعمال میں ایک لاکھ حسنات درج فرمائیگا اور ایک لاکھ گناہ اس کے

سیئۃ و رفع لہ
مائۃ الف درجۃ
و کانما اعتق مائۃ
الف نسمۃ و حشرہ
اللہ یوم القیامۃ ثلج
الفواد (بحار ج عاشر ص۱۶۸)

محو کردیگا اور ایک لاکھ درجات عالیہ
اس کو دیگا اور اس کو اتنا ثواب
ملے گا گویا اس نے ایک لاکھ غلام آزاد
کئے ہیں۔ خدا اس کو بروز قیامت
اس طرح اٹھائے گا کہ اس کا دل
ٹھنڈا ہوگا۔

اس حدیث میں جو باتیں مذکور ہیں ان سب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام حسینؑ کی پیاس مافوق العادت شدت رکھتی تھی۔ جناب صادق آل محمد علیہم السلام کا پانی نوش فرمانے کے وقت گریہ فرمانا اور پانی پینے کے وقت امام حسینؑ کو یاد کرنے والے اور قاتل حسینؑ پر لعنت بھیجنے والے کے لئے ایسے عظیم الشان اجر و ثواب کا مقرر کرنا جو حدیث میں مذکور ہے اس کا قطعی ثبوت ہے کہ امامؑ کی پیاس غیر معمولی اور خلاف عادت شدت رکھتی تھی اور اس پیاس کی شدت کو حوادث و مصائب میں نمایاں اور اہم خصوصیت و عظمت حاصل ہے جو محض دن بھر یا چوبیس گھنٹے کی پیاس میں نہیں ہوا کرتی۔ جیسا کہ علامہ کنتوری کے ارشاد سے معلوم ہوا۔

(۷) قال انہ لم جعل یبکی عند القبر
حتی اذا کان قریبا من
الصبح وضع راسہ علی
القبر فاغمی علیہ
فاذا ھو برسول اللہ

(۷) امام حسین علیہ السلام قبر رسولؐ کے پاس
روتے رہے۔ صبح کے وقت آپ نے
سر مطہر قبر مبارک نبوی پر رکھا اور
غنودگی طاری ہوگئی۔ اسی عالم
میں دیکھا کہ جناب رسول تشریف

بشدند واز خشکی کام احدے را طاقت گفتار نماند و باشارت سخن می گفتند و با تیمم نماز می گزاردند۔"

(۱۱) ترجمہ سعادت الکونین میں ہے صفحہ ۱۰۵۔

جب اشقیائے بدشعار نے اہلبیت پر ایک ایک قطرہ آب کا مضائقہ جانا ناچار ہو کر آپ نے کنواں کھودنے کا حکم فرمایا۔ آپ کے ہمراہیوں نے ستر ستر گز کھود ڈالا مگر پانی نہ نکلا۔ تمام اہلبیت تشنگی سے بیتاب مثل ماہی بے آب تڑپتے تھے۔ تشنگی کی شدت سے کام و زبان خشک تھے۔ کسی کو مجال گویائی نہ تھی۔ اشاروں سے باتیں کرتے تھے۔"

(۱۲) صاحب تحریر الشہادتین لکھتے ہیں:۔

"بر ناظرین اسفار اخبار و آثار مخفی و مستتر نخواہد بود کہ چوں صدائے نالۂ عباس کہ روز بدر الشان راہمراہ کفار مکہ اسیر کردند جناب رسالتمآب صلعم را تمام شب از خواب باز داشت۔ حال پر ملال جناب رسول خدا متعال بادر مرز کربلا قیاس کردن است کہ از تشنگی عترت طاہرہ و قتل و ذبح نونہالان گلشن رسالت و نبالت خاصہ گلہائے سید چمن نبوت و امامت امام حسین علیہ السلام و رفتن اہلبیت بر شتران خشک پالان و نزول مصائب بیکراں بر سر فرقت یتیمان بر روح مقدس سرور پیغمبراں چہ گزشتہ باشد۔"

صفحہ ۱۳۱

(۱) مولانا حالی مقدمہ دیوان میں فرماتے ہیں:۔

"دشمنوں نے کھانا اور پانی سب بند کر رکھا ہے اور دریائے فرات آنکھوں کے سامنے بہہ رہا ہے۔ دشمنوں کے گھوڑے گدھے اونٹ تک اس سے سیراب ہوتے ہیں مگر اس کا سارا کنبہ تین روز سے پیاسا ہے۔ اس کے ننھے ننھے بچے پانی کی ایک ایک بوند کو ترستے ہیں۔"

(شعر و شاعری صفحہ ۱۸۴)

(۲) نیز اسی سلسلہ بیان میں فرماتے ہیں:۔

"چچا تو خود بھی تین دن کی پیاس سے بے قرار ہے مگر اپنی پیاس کی کچھ پروا نہیں کرتا لیکن پیاسی بھتیجی کی بے قراری کو کسی طرح نہیں دیکھ سکتا۔"

(ص ۱۸۶)

ان تحریرات سے بھی صاف ظاہر ہے کہ تشنگی عترت طاہرہ مخصوص اہمیت و عظمت رکھتی تھی۔ منجملہ مصائب کربلا مصیبت تشنگی خاص طور سے درد انگیز تھی اور چند گھنٹوں کی پیاس عادۃً اتنی درد انگیز اور الم خیز نہیں ہوا کرتی۔ اس کا انکار کج بحثی، ہٹ دھرمی اور ناحق کوشی کے سوا اور کچھ نہیں۔

قحط آب کا ایک قطعی ثبوت

قحط آب اور شدت تشنگی کا قطعی ثبوت ان روایات سے بھی ہے جن میں حضرت کا سوال آب کرنا یا اشقیا کا پانی بند ہونے پر

طعن و تعریض کے کلمات ناگوار و ناسزا کہنا مذکور ہے۔

(۱) ابوالفرج علی بن الحسین بن محمد الاصفہانی کتاب مقاتل الطالبین میں لکھتے ہیں صفحہ ۷۸ مطبوعہ ایران۔

وجعل الحسین یطلب الماء وشمر لعنہ اللہ یقول لہ واللہ لا ترد ہ او ترد النار فقال لہ رجل الا تری الی الفرات یا حسین کانہ بطون الحیات واللہ لا تذوق او تموت عطشا فقال الحسین اللھم امتہ عطشا قال واللہ لقد کان ھذا الرجل یقول اسقونی ماء فیوتی بماء فیشرب حتی یخرج من فیہ و ھو یقول اسقونی قتلنی العطش فلم یزل کذلک حتی مات

(۱) امام حسین شمر سے پانی کا سوال کرتے تھے اور وہ کہتا تھا (نعوذ باللہ) تم پانی کے گھاٹ پر نہ پہونچو گے تا وقتیکہ جہنم پر وارد ہو جاؤ گے۔ ایک شقی نے پکار کر کہا حسین! دیکھتے ہو یہ پانی مچھلیوں کے پیٹ کی طرح کیسا چمک رہا ہے مگر تم کو بے آب ہی مرنا ہو گا۔ حسین نے دعا کی پروردگار اس ظالم کو پیاسا داخل جہنم کر دے۔ راوی کا بیان ہے کہ وہ شخص پانی پانی چیختا تھا اور جب پیتا تھا تو اس کے منہ سے نکل پڑتا تھا۔ پھر وہ کہتا تھا پانی پلاؤ۔ مجھے پیاس نے مار ڈالا اس کا یہی حال رہا یہاں تک کہ وہ مر گیا۔

(۲) اسقونی قطرۃ من الماء فقد نشف کبدی

مجھے ایک قطرہ پانی پلا دو کیونکہ میرا جگر پیاس سے سوکھ

عن الظماء

جاتا ہے۔

(نور العین: ترجمہ خصائص حسینؑ صفحہ ۷۳)

(۳) فنزلوا مقابلهم ومنعوهم
الماء ثلاثة ايام فناداه
عبد الله بن الحصين
الازدي يا حسين الا
تنظر الى الماء كانه
كبد السماء والله
لا تذوق منه قطرة
حتى تموت عطشا
فقال الحسين اللهم اقتله
عطشا ولا تغفر له ابدا فكان
بعد ذالك يشرب الماء
فلا يروي حتى شق بطنه
فمات عطشا ونادى
عمرو بن الحجاج يا حسين
هذا الماء تلغ فيه الكلاب
وتشربه الخنازير اهل
السواد والحمر والدواب
وما تذوق منه قطرة
حتى تذوق الحميم فكان

(۳) فوج یزید کے سپاہیوں نے
گھاٹ پر اتر کر امام حسینؑ اور صحابہ کا
پانی تین دن بند رکھا۔ عبداللہ
بن الحصین الازدی نے پکار کر کہا
حسینؑ! کیا نہیں دیکھتے یہ پانی کیسا
چمک رہا ہے۔ واللہ ایک قطرہ
بھی تم کو اس کا نہ ملے گا پیاسے ہی
مرو گے۔ امام حسینؑ نے دعا کی پروردگارا
اس شخص کو پیاسا ہلاک کرنا اور کبھی
نہ بخشنا۔ اس کے بعد اس شخص کا
یہ حال ہوا کہ پانی پیتا جاتا تھا مگر
سیراب نہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ
اس کا پیٹ پھٹ گیا اور پیاسا
ہی مر گیا۔ عمرو بن الحجاج (سردار محافظان
فرات) نے پکار کر کہا کہ حسینؑ اس
پانی سے جانور تک سیراب ہو رہے
ہیں مگر تم کو اس کا ایک قطرہ نہ ملے گا
(نعوذ باللہ) یہاں تک کہ جہنم کا
کھولتا پانی تم کو پینا پڑے۔ اس

سماع هذا الكلام أشد من
منعهما الماء

(تذکرۃ خواص الامہ قلمی ص ۱۷ الملک کتبخانہ رام پور)

(۴) ثم کتب الی عمر یامره
ان یعرض الحسین بیعة
یزید فاذا فعل ذالك
رأینا وان یمنعه
ومن معه الماء
فارسل عمر بن سعد
عمرو بن الحجاج علی خمس
مائة فارس فنزلوا علی
الشریعة وحالوا بین
الحسین وبین الماء
وذالك قبل قتل الحسینؑ
بثلاثة ایام ونادی
عبد الله بن الحصین
الازدی وعداده فی
بجیلة یا حسین اما تنظر
الی الماء لا تذوق منه
قطرة حتی تموت عطشا فقال الحسین اللهم اقتله
عطشا ولا تغفر له ابدا قال فمرض فیما بعد
وکان یشرب الماء القلة

کلام کا سننا حضرت کیلئے پانی بند کی
جانے سے زیادہ شدید مصیبت تھا

(۴) ابن زیاد نے عمر سعد کے نام یہ
لکھ بھیجا کہ حسینؑ کے سامنے بیعت
یزید پیش کرے۔ اگر وہ اس کو قبول
کر لینگے تو ہم آئندہ کے متعلق کوئی رائے
قائم کرینگے اور یہ لکھا کہ حسینؑ اور ان
رفیقوں پر پانی بند کر دیا جائے۔ ا
حکم پر مطلع ہو کر عمر سعد نے عمرو بن الحجاج
کو پانچسو سواروں کے ساتھ گھاٹ پر ا
حفاظت کے لئے متعین کیا وہ لوگ
گھاٹ پر اترے اور حسینؑ اور دریا ک
کے درمیان حائل ہو گئے۔ یہ واقعہ
شہادت حسینؑ سے تین روز قبل کا
عبد اللہ بن ابی الحصین ازدی جو
قبیلہ بجیلہ میں سے تھا پکارا کہ اے
حسینؑ! پانی کو دیکھ رہے ہو مرتے دم
تک اس کا ایک قطرہ بھی تم کو نصیب نہ
ہوگا۔ حسینؑ نے کہا پروردگار
اس شخص کو پیاسا ہلاک کر دے

ثم يقيء ثم يعود فيشرب حتى يبغر ثم يقيء ثم يشرب فما يروى فما زال كذلك حتى مات

(تاريخ كامل ابن اثير ج ۴ ص ۲۱)

اور کبھی نہ بجھتا۔ راوی کا بیان ہے کہ وہ شخص بیمار ہوا۔ پانی پیتا تھا اور قے کر دیتا تھا پھر حلق تک پانی پی لیتا تھا اور وہ نکل جاتا تھا پانی پینے سے اس کی پیاس نہ بجھتی تھی یہاں تک کہ واصل جہنم ہو گیا۔

---

(۵) قال ابو مخنف حدثني سليمان بن ابي راشد عن حميد بن مسلم الازدي قال جاء من عبيد الله بن زياد كتاب الى عمر بن سعد اما بعد فحل بين الحسين واصحابه وبين الماء ولا يذوقوا منه قطرة كما صنع بالتقي الزكي المظلوم امير المؤمنين عثمان بن عفان قال فبعث عمر بن سعد عمرو بن الحجاج على خمسمائة فارس فنزلوا على الشريعة

(۵) ابو مخنف نے سلیمان بن راشد سے اور اس نے حمید بن مسلم سے روایت کی ہے کہ وہ کہتا ہے کہ عبید اللہ بن زیاد کی طرف سے عمر بن سعد کے پاس حکمنامہ پہنچا جس میں لکھا تھا کہ حسین و اصحاب حسین پر پانی بند کر دے اور وہ ایک قطرہ بھی پانی نہ پینے پائیں جیسا کہ امیر المومنین عثمان بن عفان کے ساتھ کیا گیا۔ تب عمر بن سعد نے پانچ سو سواروں کی جمعیت کے ساتھ عمرو بن الحجاج کو متعین کیا۔ یہ لوگ گھاٹ پر اترے اور پانی حسین و اصحاب حسین پر بند کر دیا گیا ایک

وحالوا بین الحسین و
اصحابہ وبین الماء ان
یسقوا منہ قطرۃ وذالک
قبل قتل الحسین بثلاث
قال ونادی عبد اللہ
بن ابی الحصین الازدی و
عدادہ فی بجیلہ فقال
یا حسین الا تنظر الی
الماء کانہ کبد السماء واللہ لا
تذوق منہ قطرۃ حتی تموت عطشا الخ

قطرہ بھی ان لوگوں کو نہ ملنے پائے
یہ شہادت حسینؑ سے تین روز
پہلے کا واقعہ ہے۔ راوی کا
بیان ہے کہ عبداللہ بن ابی الحصین
الازدی پکارا کہ حسینؑ دیکھتے ہو
کہ یہ پانی آسمان کی طرح کتنا صاف
شفاف ہے۔ مگر تمہیں اس
کا ایک قطرہ نہ ملے گا
پیاسا ہی مرنا ہوگا۔

(طبری الجزء الاول ص ۲۳ من جلد الثانی مطبوعہ لندن)

(۶) قال ابو الفرج فلما جعل
الحسین یطلب الماء وشمر
لعنہ اللہ یقول لہ واللہ
لا تردہ او ترد النار و
قال لہ رجل الا تری الی
الفرات یا حسین کانہ
بطون الحیات واللہ لا
تذوقہ او تموت
عطشا

(۶) ابو الفرج اصفہانی کہتے ہیں کہ
امام حسینؑ پانی طلب کرنے
لگے تو شمر نے کہا تم ہرگز پانی تک
پہنچنے نہ پاؤ گے اور حضرتؑ سے
ایک شخص نے کہا کہ حسینؑ! دیکھتے
ہو کہ فرات کا پانی کیسا صاف و شفاف
ہے، مگر مرتے دم تک تم کو یہ
پانی نصیب نہ ہوگا۔

(بحار ص ۲۵۶)

(۷) قالوا قد علمنا ذالك كله ونحن غير تاركيك حتی تذوق الموت عطشانا

(۷) ہم ان تمام باتوں کو جانتے ہیں مگر ہم تم کو چھوڑ نہیں سکتے۔ تمہیں پیاسا ہی مرنا ہوگا۔

(لہوف بر حاشیۂ مہیج الاحزان صفحہ ۲۸)

فلسفہ تاریخ کے ماتحت واقعات کو آشنائے استنتاج کرنے کی صلاحیت رکھنے والے ان روایات و اخبار سے اسی نتیجہ تک پہنچ سکتے ہیں کہ جب سے نہر فرات کے گھاٹ پر مضبوط پہرے بیٹھ گئے تھے پانی امامؑ و اصحاب امامؑ کے لئے نایاب تھا اور خود گھاٹ کے محافظوں کو اس کا یقین تھا کہ ان کے تسلط کے بعد نہ ایک قطرہ فوج حسینیؑ تک پہنچا ہے اور نہ پہنچ سکتا ہے۔ ان کو اس کا یقین تھا کہ وہ امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب کو پیاسا رکھنے میں کامیاب ہیں۔ اگر خیام حسینی میں پانی مختلف اوقات تک جیسا کہ روایات کی آڑ لے کر بیان کیا جاتا ہے، یزیدی فوج کو مغلوب کر کے پہنچایا گیا ہوتا تو عمرو بن الحجاج اور اس کے ماتحت سپاہی یہ تعریض کس لئے کرتے اور یہ طعن آمیز باتیں کیوں کہتے کہ حسینؑ! دیکھتے ہو پانی فرات کا تمہاری آنکھوں کے سامنے کس طرح چمکتا اور کروٹیں لیتا ہے مگر تم کو مرتے دم تک اس میں سے مل نہیں سکتا تمہیں پیاسا ہی مرنا پڑے گا۔ اگر دنیا سے عقل و انصاف کا خاتمہ نہیں ہو گیا ہے تو یہ بات ظاہر ہے کہ گھاٹ کی حفاظت کرنے والے افسر اور سپاہی اس قسم کے دعوی اس وقت کر سکتے تھے جبکہ انھیں اس کا یقین ہوتا کہ وہ نہر کی حفاظت کرنے اور خیام حسینی تک پانی کے پہنچنے کی راہ روکنے میں کامیاب ہیں۔ اگر وہ لوگ مغلوب کر دئے گئے ہوتے، ان کے پہرے توڑ

کر پانی حاصل کر لیا گیا ہوتا اور وہ بھی اتنی کثیر مقدار میں جو نہ صرف واجبات شرعیہ و عادیہ کے لئے کفایت کر سکتا ہو بلکہ مندوبات غسل و آداب طہارت کیلیے بھی کافی ہو سکتا ہو اور ان کو یہ معلوم ہوتا کہ ابھی صبح عاشور تک پانی کی کثیر مقدار امام کے پاس موجود رہی ہے تو اس طرح کے دعوے اور تعریضیں ہرگز نہ کرتے۔ عمرو بن الحجاج کی ماتحتی میں جو فوج گھاٹ کی حفاظت کے لئے معین کی گئی تھی وہ کافی مضبوط تھی اور اس نے پانی کی بندش کرنے میں کوئی کمی نہیں کی تھی۔ ارشاد شیخ مفید میں ہے۔

فبعث عمر بن سعد فی الوقت عمرو بن الحجاج فی خمسمائة فارس فنزلوا علی الشریعة وحالوا بین الحسینؑ واصحابه وبین الماء فمنعوه ان یسقوا منه قطرة وذالک قبل قتل الحسینؑ بثلاثة ایام

(بحار ج عاشر صفحہ ۱۰۹)

عمر بن سعد نے اسی وقت (جبکہ ابن زیاد کا حکمنامہ آیا تھا) عمرو بن الحجاج کو پانچسو سواروں کے ساتھ بھیجا اور یہ لوگ گھاٹ پر اترے امام حسینؑ و اصحاب حسینؑ تک پانی پہنچنے کی راہ بند کر دی ان کی طرف بے روک ٹوک اتنی کی جا رہی تھی کہ یہ لوگ پانی کا ایک قطرہ بھی نہ پا سکیں۔ یہ شہادت امام حسینؑ سے تین دن پہلے کا واقعہ ہے۔

دوسرا ثبوت

جناب سید الشہدا اور آپ کے بعض اصحاب نے جو تقریریں یزیدیوں کے سامنے پانی روکنے کے متعلق کیں، ان سے اس کے سوا اور کوئی نتیجہ از روئے فلسفہ تاریخ حاصل نہیں ہو سکتا کہ پانی کا قحط شدید تھا۔ بالخصوص

اطفال خیام حسینی کی حالت غیر تھی۔ پیاس سے ہلاک ہونے کے قریب پہونچ گئے تھے۔

(۱) کشف الغمہ اربلی میں ہے ص۱۸۹

ثم زحفت خیل عمر بن سعد حتی نزلوا شاطی الفرات وحالوا بین الماء وبین الحسینؑ واصحابه ثم کتب عبید الله کتابا الی عمر بن سعد یحثه علی مناجزة الحسین فعندها ضیق الامر علیهم فاشتد علیهم الامر والعطش فقال انسان من اصحاب الحسینؑ یقال له یزید بن الحصین؎ الهمدانی وکان زاهدا ائذن لی یا ابن رسول الله صلعم لاتی عند ابن سعد فاکلمه فی امر الماء فعساه یرتدع فقال له ذالک الیک فجاء

عمر بن سعد کی فوج فرات کے کنارے اتر ہی اور اس نے امام حسینؑ و اصحاب حسینؑ پر پانی بند کر دیا پھر عبید اللہ بن زیاد کا خط آیا جس میں اس نے عمر بن سعد کو امام حسینؑ سے لڑنے پر ابھارا تھا۔ اس وقت عمر سعد نے حسینؑ و اصحاب حسینؑ کو نہایت تنگی و دشواری میں مبتلا کر دیا صورت حال ان کے لئے سخت ہوگئی۔ پیاس کی شدت بڑھ گئی اصحاب حسینی میں سے ایک صاحب نے جن کا نام بریر بن خضیر الہمدانی تھا اور مرد زاہد تھے خدمت میں آکر عرض کیا کہ فرزند رسولؐ! اگر اجازت ہو تو ابن سعد کے پاس جا کر پانی کے معاملہ میں گفتگو کروں شاید وہ اپنی شقاوت سے باز آجائے۔ امام نے فرمایا تمہیں اختیار ہے جاؤ۔ بریر ہمدانی عمر بن سعد کے

؎ بریر بن خضیر الہمدانی ہونا چاہیے کاتب نے غلطی سے یزید بن الحصین لکھ دیا ہے۔ ۱۲

الهمدانی الی عمر بن سعد
فدخل علیه فلم یسلم علیه
قال یا اخا همدان ما منعک
من السلام علیّ الست
مسلما اعرف الله و
رسوله فقال له الهمدانی
لو کنت مسلما کما تقول
لما خرجت الی عترة
رسول الله صلعم ترید
قتلهم و بعد هذا فهذا
الماء الفرات یشرب
منه کلاب السواد و
خنازیرها و هذا الحسین
بن علی و اخوته ونسائه
واهل بیته یموتون
عطشا قد حلت بینهم و
بین ماء الفرات ان تشربوه
و انک تزعم انک تعرف
الله و رسوله

پاس آئے مگر اس کو سلام نہیں کیا۔ اس
پر عمر سعد نے کہا کہ اے مرد ہمدانی
تم نے سلام کیوں نہ کیا۔ کیا میں مسلمان
نہیں ہوں۔ خدا و رسول صلعم کو نہیں
پہچانتا؟ بریر نے فرمایا۔ اگر تو اپنے
قول کے مطابق مسلمان ہوتا تو
عترت پیغمبرؐ پر خروج نہ کرتا۔ ان کے
قتل کا ارادہ نہ کرتا۔ دیکھ یہ فرات
کا پانی ہے جس کو سگ و خوک
تک پیتے ہیں مگر حسینؑ اور ان کے
اہل بیتؑ پیاس سے مرتے ہیں۔
تو نے ان کے لئے پانی
کا قطع کر رکھا
ہے اور پھر یہ
دعویٰ کرتا ہے کہ
خدا و رسول صلعم کو
پہچانتا ہے

⁂ ⁂

یہ روایت مطالب السؤل میں بھی منقول ہے ص۲۵۷

(۲) ثم قال لاعدائه

(۲) امام حسینؑ نے دشمنوں سے فرمایا

يا اهل الكوفة ان الدنيا
قد تغيرت وتكدرت
وادبر معروفها وهي
دار فناء وزوال تتصرف
باهلها من حال الى
حال فالمغرور من
اغتر بها وركن اليها
وطمع فيها۔ معاشر الناس
اما قرأتم القرآن اما
عرفتم شرائع الاسلام
وثبتم على ابن نبيكم
لتقتلوه ظلما وعدوانا
معاشر الناس هذا ماء
الفرات تشرب منه
الكلاب والخنازير
والمجوس وآل نبيكم
يموتون عطشا فقالوا
والله لا تذوق الماء
بل تذوقوا الموت
غصة بعد غصة و
جرعة بعد جرعة الخ

اے اہل کوفہ! دنیا تغیر پذیر
ہے۔ اس کی خوبیاں جا چکی ہیں
وہ فنا و زوال کا گھر ہے۔
اور اپنے اہل سمیت ایک
حال سے دوسرے حال پر بدل جایا
کرتی ہے پس فریب خوردہ وہ شخص ہے
جو اس سے دھوکا کھائے اس
کی جانب مائل ہو اور اس کی
طمع میں گرفتار ہو۔ لوگو! کیا تم نے
قرآن نہیں پڑھا ہے؟ کیا تم عارف
شرائع اسلام نہیں ہو؟ اپنے پیغمبر
کے فرزند پر حملے کر رہے ہو کہ ظلم و
ستم سے اس کو قتل کر دو۔ لوگو!
یہ ہے آب فرات جس سے سگ و خوک بھی
پیتے ہیں مجوس بھی سیراب ہوتے ہیں مگر
اہلبیت نبی پیاسے مرتے ہیں۔ اہل
کوفہ نے اس ارشاد کا جواب
یہ دیا کہ خدا کی قسم تم کو یہ پانی
نہیں مل سکتا۔ بلکہ جام موت کے
گھونٹ پیو گے۔

(ینابیع المودت ص۳۴۲)

(۳) وبات تلك الليلة
فلما اصبح الصباح اذن و
اقام وصلى باصحابه
فلما فرغ استدعي
برد جده رسول الله
وتعمم بعمامة السحاب
وتقلد بسيف ابيه ذي
الفقار ونزل الى القوم
وقال ايها الناس اعلموا
ان الدنيا دار فناء
وزوال متغيرة باهلها
من حال الى حال معاشر
الناس عرفتم شرائع
الاسلام وقرأتم
القرآن وعلمتم ان
محمدا رسول الله
الملك الديان وثبتم على
قتل ولده ظلما وعدوانا
معاشر الناس اما ترون
الى ماء الفرات يلوح
كانه الحيات بتغربه

(۳) حضرت امام حسینؑ نے وہ رات بسر
کی جب صبح ہوئی تو اپنے اصحاب کے ساتھ
نماز باجماعت ادا کی۔ بعد فراغت اپنے
نانا پیغمبر خداؐ کی ردہ پہنی۔ عمامہ فرق
مبارک پہ باندھا۔ ذوالفقار حمائل
کی اور یزیدی فوج کے سامنے آگئے
اور فرمایا لوگو! تم جان لو کہ یہ دنیا فنا
و زوال کا گھر ہے وہ اپنے اہل سمیت
حالات بدلتی رہتی ہے۔ لوگو! تم شرائع
اسلام سے واقف ہو۔ قرآن پڑھتے
ہو۔ تم یہ جانتے ہو کہ محمدؐ خدا کے
رسولؐ تھے۔ پھر اس علم کے باوجود
ظلم وستم سے فرزند رسولؐ کو قتل
کرنے پر مستعد ہو۔ لوگو! کیا
نہیں دیکھتے کہ پانی نہر فرات کا
سامنے لہریں مار رہا ہے۔ یہود
و نصاریٰ اور جانوران صحرائی
بھی اس سے سیراب ہیں اور
آل رسولؐ پیاس سے
مر رہے ہیں۔ اس کے
جواب میں ان ملاعین

اليهود والنصارى والكلاب والخنازير وآل رسول يموتون عطشا فقال له الملاعين اقصر عن هذا الكلام فلن تذوقوا الماء ولا احد من اصحابه بل تذوقوا الموت غصة بعد غصة۔ (مقتل ابو مخنف ص ۲۹)

نے کہا۔ گفتگو ختم کرو۔ یہ پانی نہ تم کو نصیب ہوگا، نہ تمہارے ہمراہیوں کو۔ بلکہ موت کا ذائقہ چکھنا پڑے گا۔

(۴) جناب حر کی یہ معرکۃ الآرا تقریر کتب تواریخ میں منقول ہے

يا اهل الكوفة لامكم الهبل والعبران ان دعوتموه حتى اذا اتاكم اسلمتموه وزعمتم انكم قاتلوا انفسكم دونه ثم عدوتم عليه لتقتلوه امسكتم بنفسه واخذتم بكظمه واحطتم به من كل جانب فمنعتموه التوجه في بلاد الله العريضة حتى يامن ويامن اهل بيته واصبح في ايديكم كالاسير لا يملك

کوفہ والو تمہاری مائیں تم پر روئیں تم نے حسینؑ کو بلایا جب وہ آئے تو ان سے بھاگ گئے پہلے تو جاں نثاری کے وعدے کئے پھر ان کے درپے قتل ہوگئے ان کا گلا گھونٹ رہے ہو۔ ہر طرف گھیر لیا ہے وسیع ملک خدا میں کسی طرف کو ان کو جانے نہیں دیتے تاکہ وہ اور ان کے اہل بیت امن پا سکیں۔ حسینؑ اس وقت تمہارے ہاتھوں میں قیدی بن کر رہ گئے ہیں۔ نہ اپنے نفس کو کوئی نفع پہونچا سکے اور نہ کوئی ضرر دفع

لنفسہ نفعا ولا یدفع ضرا او خلاء تمودہ ونسائہ واصبیتہ واصحابہ عن ماء الفرات الجاری الذی یشربہ الیہود المجوسی والنصرانی و تمرغ فیہ خنازیر السواد و کلابہ و ھاھم قد صرعھم العطش بئسما خلفتم محمدا فی ذریتہ لا اسقاکم اللہ یوم الظماء ان لم تتوبوا وتنزعوا عما انتم علیہ الخ

کر سکتے۔ تم نے ان کو اور ان کی عورتوں اور چھوٹے چھوٹے بچوں اور ان کے ساتھیوں کو فرات کے اس بہتے ہوئے پانی سے محروم کر رکھا ہے جس سے یہودی مجوسی نصرانی سگ و خوک سب ہی تو سیراب ہیں اور ان لوگوں کا یہ حال ہے کہ پیاس نے ان کو بیجان کر کے گرا دیا ہے۔ تم نے محمدؐ کی ذریت کے ساتھ ان کے بعد بہت برا سلوک کیا۔ اگر تم توبہ نہیں کرتے اور اپنے ظلم و ستم سے باز نہیں آتے تو خدا تمہیں قیامت کے دن کی پیاس کے دن سیراب کرے۔

(طبری مطبوعہ لندن ص ۲۳۳ - الجزء الثانی فی المجلۃ الثانیہ)

(۵) صاحب روضۃ الصفا لکھتے ہیں ص ۱۳۹ ج ۳ :

"ناگاہ حر روئے بمخالفان آوردہ ندا کرد کہ اے اہل کوفہ! فرزند رسولؐ را طلب نمودہ۔ دراں باب مبالغہ بسیار کردید اکنونکہ آمد با دشمناں بر قتل وے عہد و پیمان بستہ تا حال او بمرتبہ

حر مخالفین کی جانب متوجہ ہوئے اور کہا کہ اہل کوفہ! تم نے فرزند رسولؐ کو بلایا۔ بلانے میں بڑا اصرار و مبالغہ کیا جب وہ آ گئے تو تم نے ان کے دشمنوں کے ساتھ ان کے قتل کا عہد و پیمان کر لیا۔ یہاں تک کہ

رسید که مانند اسیران بنفس خود نفع نمی توانند رسانید۔ دیگر آنکہ آب فرات را کہ یہود و نصاریٰ و خنازیر و کلاب می آشامند از وے باز داشتید۔ بخدا سوگند کہ از شما بدتر گروہے ندیدہ و نشنیدہ ام الخ

اب وہ تمہارے قیدی ہیں۔ اپنے نفس کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہونچا سکتے۔ اس کے علاوہ فرات کا پانی جس کو یہود و نصاریٰ سگ و خوک سب ہی پی رہے ہیں ان پر بند کر دیا ہے۔ خدا کی قسم تم سے بدتر کوئی گروہ میں نے دیکھا نہ سنا۔

اس قسم کی روایات اس حقیقت کو ثابت کر دینے کے لئے کافی ہیں کہ امام حسینؑ اور آپ کے اہل حرمؑ اطفال و اصحاب پیاس کی مہلک شدت میں تھے۔ بقول مؤلف "شہید انسانیت" "کسی کے دم میں دم تھا اور تجربہ شاہد ہے کہ صرف چند گھنٹوں یا ایک دن کی پیاس میں ایسی جاں گسل، مہلک و تباہ کن شدت نہیں ہو سکتی۔ یہ مہلک شدت اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جبکہ اس کا زمانہ بہت طویل ہو۔ لہذا تین دن پیاسا رہنا جو حد شہرت و تواتر معنوی تک پہنچا ہوا ہے بالکل درست ہے اور علامہ کنتوری کا یہ ارشاد حرف بحرف صحیح اور حقیقت کا آئینہ دار ہے:-

المشهور ان الحسين عليه السلام منع الماء من اليوم السابع او من الليلة الثامنة وهو المستفاد من الزيارات المروية

مشہور تو یہی ہے کہ پانی آپ پر ساتویں تاریخ محرم کے دن یا وہ دن گزر کر آٹھویں شب سے بند کیا گیا اور یہی پیاس چند روزہ ان زیارتوں سے بھی سمجھی جاتی ہے جو ائمہ علیہم السلام سے روایت کی

عن الائمة علیهم
السلام والروایات
المخبرة بشهادته من یوم
ولادته بل من الاخبار
الواردة فی اخبار الله تم
الانبیاء مثل آدم وموسی
وعیسی علیهم السلام الیٰ بدل
علیه اقوال الحراس علی العین
للماء من اهل الکوفة
والضا یدل علیه ما تکلم به اصحاب
الحسین علیهم السلام
وموعظتهم لعمر بن سعد
وشمر وغیرهما من یوم
السابع الی یوم عاشوراء
فانهم کانوا یقولون لعبد
الجبار کونه اماماً واطفاله
یموت عطشاناً والیها
کلما تهم حسین بردهم
للحرب اوردوا هم علی
الفرات وعدم شربهم الماء
تاسفاً علی کونه واطفاله

گئی ہیں اور ان روایتوں سے بھی ثابت
ہوتا ہے جو بطور پیشین گوئی کے از روز
ولادت امام حسینؑ تا روز شہادت منقول
ہوئی ہیں بلکہ ان روایتوں سے بھی چند روزہ
پیاس ثابت ہوتی ہے جن میں خدا نے اور
انبیاء کو جناب امام حسینؑ کے پیاسے شہید ہونے
کی خبر دی ہے وہ روایتیں جنمیں محافظان
فرات کے اقوال منقول ہیں جنھوں نے پانی حضرت
پر بند کیا تھا وہ بھی اسی پر دلالت کرتی
ہیں کہ تین روز تک پانی بند رہا......
اور اسی تین دن کی پیاس پر جو گفتگو اصحاب
امام حسین علیہ السلام نے عمر بن سعد اور شمر وغیرہ
سے کی ہے دلالت کرتی ہے اور جو وعظ
اور نصیحت ان بزرگوں نے اشقیائے امت کو
ساتویں تاریخ سے تا روز عاشورہ فرمائی ہے
اس لئے کہ وہ برگزیدگان بارگاہ الہی
پہلے تو حضرت کے امام برحق ہونے کو بیان
کرتے تھے اس کے بعد یہ بھی کہتے تھے
کہ وہ جناب اور اطفال اس جناب
کے پیاس سے ہلاک ہوئے جاتے
ہیں۔ وہ سچے تھے کبھی جھوٹ نہیں کہہ

عطشانا تدل علی ذالک الفاظہی روایات مستفیضۃ بل متواترۃ معنی (ماتین ص ۲۹۶)

سکتے تھے جو باتیں بطور رجز کے اصحاب اور اہلبیت حضرتؑ کے صف جنگاہ میں کہتے تھے خواہ لڑتے لڑتے فرات پر پہنچ جاتے تھے اور بنظر وفاداری پانی نہیں پیتے تھے۔ اسلئے کہ انکو تاسف ہوتا تھا حضرتؑ کی اور اطفال کی پیاس کا اور چلو میں پانی بھر کر پھینکدیتے تھے۔ یہ روایتیں بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں کہ پانی نایاب ہو گیا اور بند تھا۔ یہ سب روایتیں اگر یکجا کی جائیں تو ان کا شمار ستر سے زیادہ ہوتا ہے بلکہ یہ روایتیں حد تواتر کو پہنچ گئی ہیں۔ یعنی پیاس کا ذکر سب میں یکساں ہے گو اور مضامین پر بھی شامل ہوں۔"

جبکہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ امام حسینؑ اور آپ کے ہمراہیوں کا قحط آب کی وجہ سے تین روز کا پیاسا ہونا متواترات میں داخل ہے اور اس کا انکار جہل و سفسطہ کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ تو اب اُن روایتوں پر بھی ایک نگاہ نقد و تبصرہ ضروری ہے جن سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ فوج یزید کی طرف سے پانی بند کر دیے جانے کے بعد بھی خیام حسینی تک پانی لایا گیا۔ اس لئے نہ پانی نایاب تھا اور نہ تشنگان کربلا تین روز کے پیاسے تھے۔ اس قسم کی روایات نہایت قلیل التعداد ہیں اور روایت و درایت دونوں کے اعتبار سے ارباب علم کے نزدیک وہ کبھی قابل قبول نہیں ٹھہر سکتیں۔ کیونکہ مشہورات و متواترات کے خلاف کوئی بات کسی صاحب عقل کے نزدیک مسموع نہیں ہو سکتی۔ اس کا خلاف تواتر ہونا ہی اس کے باطل و کاذب اور بے اصل و سفسطہ ہونے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ اس کے لئے مزید شواہد اور دلیل کی حاجت نہیں ہوتی۔ عقل انسانی اگر اپنی فطرت اصلیہ پر قائم ہے تو اس کو محض اس لئے

قبول نہیں کر سکتی کہ وہ خلاف تواتر ہے۔ اگر اس اصول کو مدنظر رکھا جائیگا تو تمام تاریخی واقعات وحقائق قطعیت و یقینیت کے مرتبہ سے گر جائیں گے۔ تلاطم تشکیک و سفسطہ انگیزی میں نہ کوئی واقعہ واقعہ رہے گا اور نہ کوئی حقیقت حقیقت رہ جائے گی۔ اس لئے کہ دنیا میں کوئی واقعہ ایسا مشکل سے پیش کیا جا سکتا ہے جس کے خلاف کوئی روایت موجود نہ ہو۔ امام حسین علیہ السلام کی شہادت عظمیٰ ۱۰ محرم کو واقع ہونا کمال شہرت و تواتر کے درجہ پر پہونچا ہوا ہے۔ تمام دنیائے تاریخ کا اس پر اتفاق ہے مگر اس کے خلاف بھی ایک بیان موجود ہے۔ تاریخ طبری ملاحظہ ہو:- الجزء الثانی من الجلد الثانیہ صفحہ ۲۸۶)

ایک عجیب روایت امام حسینؑ ماہ صفر میں شہید ہوئے۔

قال الحارث قال ابن سعد نا محمد بن عمر قال قتل الحسینؑ بن علیؑ عم فی صفر سنہ ۶۱ ھ وھو یومئذ ابن خمس و خمسین حدثنی بذالک افلح بن سعید عن ابن کعب القرظی

حارث کہتا ہے مجھ سے ابن سعد نے بیان کیا وہ کہتا ہے مجھ سے محمد بن عمر نے روایت کی کہ حسینؑ بن علیؑ نے ماہ صفر ۶۱ھ میں پچپن برس کے سن میں شہادت پائی۔ یہ بات افلح بن سعید نے ابن کعب القرظی کی زبانی بیان کی ہے۔

پھر کیا کوئی شخص اب بھی ہو سکتا ہے جو اس بے سر و پا روایت کی بنا پر اپنے اس قطع و یقین میں تزلزل اور کمزوری محسوس کرتا ہو جو اسے دسویں محرم کو وقوع شہادت کے متعلق بذریعہ تواتر حاصل ہے؟ جو روایات کہ تواتر قحط آب و تشنگی سہ روزہ کے مخالف ہیں ان کی حیثیت اس روایت سے کچھ بھی مختلف نہیں ہے جو شہادت کا ماہ صفر میں واقع ہونا ظاہر کرتی ہے۔ لہٰذا کوئی معقولیت اس واقعہ میں نہیں ہو سکتی کہ ایک کو خلاف تواتر ہونے کی بنا پر ناقابل اعتبار ٹھہرا کر نظر انداز کر دیا جائے اور دوسری روایت کو فلسفہ تاریخ کے ماتحت اثنائے استنتاج بنانے کی کوشش کر کے یہ ظاہر کیا جائے کہ وہ قابل وثوق و اعتبار ہے اور لائق استنتاج ہو سکتی ہے۔ ایک بام و دو ہوا انداز د۔ جو تجدد دلپسند دل و دماغ بروز عاشورہ وجود آب و افسانۂ غسل کو روایات متواترہ کے خلاف ہوتے ہوئے بھی تسلیم کرنے میں تامل نہیں کرتے اور اس کو واقعہ تاریخی سمجھ کر زیر مشق استنتاج لانا چاہتے ہیں انھیں اس روایت کو بھی منظور نظر قبول بنا لینا چاہیے۔ کہ حادثۂ شہادت بجائے محرم کے ماہ صفر میں واقع ہوا۔ دو جدتیں کتاب "شہید انسانیت" میں پہلے سے موجود ہیں یعنی بروز عاشورہ افراط آب اور حادثۂ شہادت جناب مسلم کا ماہ دسمبر میں اور حادثۂ شہادت حسین کا ماہ جنوری میں واقع ہونا۔ اب اگر آئندہ ایڈیشن میں وقوع واقعہ شہادت ماہ صفر میں درج کر دیا جائے تو کتاب جدتوں اور تازگیوں کا مجموعہ بن جائے گی۔ جس تاریخ طبری سے افسانۂ غسل ماخوذ ہے (حالانکہ کوئی لفظ روایت طبری کی غسل پر دلالت نہیں کرتی) اسی میں شہادت کا صفر میں واقع ہونا بھی مذکور ہے۔ بلکہ یہ روایت باعتبار الفاظ نہایت صاف و صریح

ہے۔ پھر اس کو کتاب "شہیدِ انسانیت" میں جگہ نہ دینا خلافِ انصاف ہے اور ذوقِ جدت پسندی کا خون کرنا بھی۔

قبل اس کے کہ وجود آب کا نہ پیدا کرنے والی روایتوں کے متعلق چھان بین کی جائے یہ گزارش ضروری ہے کہ واقعات کربلا جو تاریخ اسلام میں مذکور ہیں ان کا ایک ماخذ یزیدی حکومت کے فوجی نامہ نگاروں کی رپورٹیں اور خود سپاہیوں کے بیانات بھی ہیں۔ فاضل مؤلف بھی اس کے معترف ہیں اور "شہیدِ انسانیت" میں لکھتے ہیں:۔

"خود اموی نامہ نگاروں اور فوجیوں نے کسی نہ کسی رنگ میں واقعات کو (مسخ کر کے سہی) بیان کیا۔ وہ بغیر شعور کے اکثر اس کے ایسے جزئیات بیان کر دیتے تھے جن کی مورخ کی نگاہ میں بڑی قیمت ہے۔" صـ۲۶

اس تحریر سے ظاہر ہے کہ اموی نامہ نگاروں اور فوجیوں کے بیانات جن واقعات کربلا کا ماخذ ہیں ان میں صرف وہی جزئیات قیمتی اور قابل اعتبار ہیں جو غیر شعوری طور پر بیان کر دئے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ جو واقعات بیان کئے گئے وہ مسخ شدہ ہیں، مورخ کی نگاہ میں ان کی کوئی قیمت نہیں۔ یہ حقیقت معمول دنیا کے مطابق اور سراسر ناقابل انکار ہے کہ حکومت کے نامہ نگاروں اور فوجیوں کے بیانوں میں صرف وہی حصہ غیر شعوری ہوا کرتا ہے جس میں خود عہدہ داران حکومت اور فوجیوں کے جور و تعدی، ظلم و ستم کا تذکرہ ہوتا ہے۔ حکومت کے نامہ نگاروں اور فوجیوں کا مقصد واقعات مظالم اور اپنی زیادتیوں کی پردہ پوشی کرنا اور اصلیت کو چھپانا ہوتا ہے نہ کہ خود اپنے خلاف پروپیگنڈا کرنا۔ ان کی

رپورٹوں اور بیانوں میں وہی حصہ غیر شعوری اور قیمتی سمجھا جا سکتا ہے جو خود ان کے مظالم کی تشریح پر مشتمل ہو۔ یہ ممکن ہے کہ انسان کسی جذبہ کے ماتحت غیر شعوری طور پر ایسی باتیں کہہ جائے جو خود اس کے مفاد کے خلاف ہوں۔ اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ سنان بن انس نے امام حسینؑ کا سر مبارک عمر سعد کے سامنے جذبۂ مفاخرت و طمع صلہ و انعام میں پیش کر کے ایسے اشعار پڑھے جو اس کے مفاد کے خلاف تھے۔ اس پر عمر بن سعد نے اس کو ٹوکا اور سختی سے تنبیہ کی۔ تاریخ کامل میں ہے۔

فقال الناس لسنان بن انس النخعی قتلت الحسینؑ بن علیؑ وابن فاطمۃؑ بنت رسول اللہ، قتلت اعظم العرب خطرا اراد ان یزیل ملک هؤلاء عن امرائک فاطلب ثوابک منهم فانهم لو اعطوک بیوت اموالهم فی قتله کان قلیلا۔ فاقبل علی فرسه وکان شجاعا شاعرا به لوثة حتی وقف علی باب فسطاط عمر بن سعد ثم نادی باعلی صوته

لوگوں نے سنان بن انس النخعی سے کہا، تو نے فاطمہؑ دختر رسول خداؐ اور علیؑ کے بیٹے حسینؑ کو قتل کیا ہے تو نے عرب کے ایک بڑے مرتبے والے انسان کو قتل کیا ہے جو تیرے ان امیروں کا ملک چھین لینا چاہتا تھا لہذا تو اپنے امیروں کے پاس جا کر ایسے عظیم کارنامے کا صلہ و انعام طلب کر۔ اگر قتل حسینؑ کے صلہ میں وہ تجھے اپنے تمام خزانے دے ڈالیں تو بھی یہ بخشش ان کی کم ہوگی۔ یہ سن کر سنان بن انس ملعون عمر بن سعد کی طرف چلا اور خیمہ کے کھڑا ہوا اور بلند آواز سے یہ

او قر رکابی فضة و ذهبا
انی قتلت السید المحجبا
قتلت خیر الناس اماً و ابا
و خیرهم اذ ینسبون نسبا
فقال عمر بن سعد اشہد
انک مجنون ادخلوه علی
فلما دخل خذفہ بالقضیب
وقال یا مجنون اتکلم بہذا
الکلام واللہ لو
سمعک ابن زیاد
لضرب عنقک (۴)

(جلد ۴ صفحہ ۳۵)

یہ اشعار پڑھنے لگا۔
او قر رکابی فضة و ذہبا الخ
عمر بن سعد نے جب اشعار
سُنے تو کہا کہ بے شک تو
دیوانہ ہو گیا ہے۔ پھر اپنے
سامنے بلایا اور چھڑی کا
مار کر کہا اے مجنون! تو
ایسی باتیں کہتا ہے۔ اگر
ابن زیاد سن لے گا تو ماری
گردن اڑا لے گا۔

لیکن نامہ نگاروں کی جن رپورٹوں اور توجیہوں کے جن بیانوں میں خود ان کے مفاد کا واضح پہلو موجود ہو ان کے ظلم و جور کی شدت کو کم کرکے دکھایا گیا ہو ان کی بابت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ بغیر شعور دنیا کے سامنے لائے گئے ہیں اور مورخ کی نگاہ میں قیمتی ہو سکتے ہیں۔ تمام عقلی و عرفی و ادبی قرائن اس قسم کی رپورٹوں اور بیانوں کو موافق حکومت و عمال حکومت پروپیگنڈا سمجھنے پر مجبور کرتے ہیں۔ اہل بیت نبوی اور ان کے جاں نثاروں پر کربلا میں اشقیاء نے مخصوص جذبات کے ماتحت انسانیت کش مظالم تو کر لئے مگر ان کے بدترین اثرات و نتائج کا ان کو جلد ہی شعور و احساس

ہونے لگا۔ ان میں سے بعض اشقیا تو انجام کار کا پہلے ہی سے کچھ نہ کچھ شعور و احساس
دلوں میں ان کے خلاف جذبات نفرت ابھرنے لگے۔ رسوائے زمانہ ہوگئے۔ دنیا میں منہ دکھانے
کے قابل نہ رہے۔ طمع مال و زر اور حرص جاہ حکومت خارِ حسرت و ندامت بن کر ان کے
ناپاک دلوں میں چبھنے لگے اور اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے ان کے پاس
اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہ تھی کہ اپنے ظلم و ستم کے واقعات کو مسخ کر کے بیان
کریں۔ اپنے جور و تعدی کو چھپائیں۔ شہدائے کربلا کی مظلومیت کو گھٹائیں
ان کے مصائب کی سنگینی کم کرنے کے لئے فرضی قصے بیان کریں۔ دنیا میں
ایسا پروپگنڈا کامیاب نہیں ہوتا۔ جس میں اپنے مقصد کی کھلی ہوئی حمایت
کی گئی ہو۔ اور براہ راست اپنے مفاد پر روشنی ڈالی گئی ہو۔ وہی پروپگنڈا
کامیابی حاصل کر سکتا ہے جس میں ضمنی طور پر حصول مقصد کی کوشش
کی گئی ہو۔ ظالم اپنے مظالم کی سنگینی کو کم کرنے کے لئے ایسے افسانے بیان کرتے
ہیں جو بظاہر مظلوم کے حق میں ہوں اور باطنی طور پر ظالم کے مفاد پر
اچھا اثر ڈالتے ہوں۔ اگر کوئی ظالم اپنی شہرۂ آفاق جفاکاریوں کا انکار
صریح کرے اور اپنی برأت کا براہ راست ثبوت دینا چاہے تو دنیا میں
اس کے پروپگنڈا کو کامیابی ہرگز نہیں ہو سکتی۔ وہی پروپگنڈا کامیاب
ہو سکتا ہے جس کا ظاہر مظلوم کے حق میں ہو اور باطن ظالم کے حق میں۔
بعد حادثۂ شہادت عظمیٰ اموی حکومت اور اس کے عاملوں اور فوجیوں
کو یہ محسوس ہوا کہ ان کی طرف سے عام نفرت پیدا ہو رہی ہے اور اس کو
کم کرنے کی ضرورت ہے اور اس ضرورت کے ماتحت دروغ بافیوں
کا جو سلسلہ شروع کیا گیا اس کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو:۔

رکھتے تھے۔ اور بعض بدبختوں نے بعد میں اس کا احساس کیا۔

افترا اور دروغ کی ایک قابل لحاظ مثال:- ملک العلماء شہاب الدین دولت آبادی مناقب سادات صـ۱۰۲ میں لکھتے ہیں:- (نسخہ قلمی کتبخانہ رامپور اسٹیٹ)

سوال۔ بعضے گویند کہ حسین بن علی علیہ السلام در دشت کربلا درحالت نزع گفت در بہشت نیایم تا کشندہ خود را برابر نبرم۔

سوال:- بعض لوگ کہتے ہیں کہ حسین بن علی علیہ السلام نے دشت کربلا میں بحالت جانکنی فرمایا کہ میں جبتک اپنے قاتل کو بھی برابر نہ لیلوں بہشت میں نہ جاؤں گا۔

جواب۔ این سخن محض افترا و دروغ و کذب صریح است زیراچہ نزع حسینؑ عبارت از بریدن سر مبارک است و دراں وقت ہیچکس سنی و متدین حاضر نبود وہمہ شہید گشتہ بودند و قول مدعا علیہ و گواہی خونیاں و معاندان باتفاق مردود ست کما عرف فی الشہادات۔

جواب:- یہ بات محض افترا اور صریح جھوٹ ہے۔ آخر حال نزع حسینؑ اسکے سوا اور کیا تھا کہ سر مبارک جدا کردیا گیا۔ اور اس وقت کوئی شخص بھی سنی و متدین ہو حاضر نہ تھا۔ سب شہید ہوچکے تھے۔ اور مدعا علیہ کا قول اور خونیوں اور دشمنوں کی گواہی باتفاق مردود ہے۔

حضرات ناظرین! صرف اسی نمونہ سے اندازہ فرما سکتے ہیں کہ قاتلان امام اپنی ذلت و رسوائی کو کم کرنے کے لئے کس طرح کا پروپیگنڈا کررہے تھے۔ اس کا انداز کیا تھا۔ بظاہر امام حسینؑ علیہ السلام کی کریم النفسی اور عفو و رحم کا کمال دکھایا گیا اور یہ ظاہر کیا گیا کہ حضرت کا رحم و کرم اتنا وسیع اور عام ہے اور آپکے مکارم اخلاق و اشفاقات ایسے عظیم ہیں کہ اپنے قاتلوں کا بھی جہنم میں جانا گوارا نہیں فرما سکتے آپ بوقت نزع انکی

ضمانت کر چکے ہیں کہ اپنے قاتل کے بغیر جنت قدم نہ رکھوں گا۔ مگر اس پر فریب پروپگنڈا کا مقصد اصلی یہ تھا کہ دنیائے اسلام میں جو عام نفرت ان کی جانب پھیل رہی ہے اس کو گھٹایا جائے اور یہ خیال دلوں میں پیدا کرا دیا جائے کہ امام حسینؑ خود اپنے قاتلوں کا گناہ معاف فرما چکے ہیں۔ اور ان کی شفاعت کا وعدہ کر چکے ہیں۔ لہذا ان کو ملعون و مردود اور رحمت خدا سے مایوس نہ سمجھنا چاہیے۔

تحقیق روایات کا ایک اہم اصول :-

ملک العلماء دولت آبادی نے اپنے جواب باصواب میں ان روایات کے پرکھنے کا نہایت مستند اصول بتا دیا ہے جن سے مجرمین حکومت نیز قاتلان امامؑ کی صفائی کا کوئی نہ کوئی پہلو نکل سکتا ہو۔ اسی اصول کو ان روایات کے لئے بھی معیار قرار دینا چاہیے جن میں وجود آب کا تذکرہ ہے۔ مظلومان کربلا کے مصائب میں ان کی تین دن کی بھوک اور پیاس کو انتہائی عظمت حاصل تھی، حادثۂ شہادت کو واقعہ شدت تشنگی نے نہایت درد انگیز بنا دیا ہے فوج یزید نے ذریت پیغمبرؐ کو تلوار سے شہید کرنے سے پیشتر پیاس سے ہلاک کیا تھا۔ اموی حکومت اور اس کے جفا کار سپاہیوں کی یہ وحشت و سنگدلی و سفاکی زبان زد خاص و عام ہو رہی تھی، کہ انھوں نے اہلبیتؑ کو نہایت بیدردی سے تین روز بھوکا پیاسا رکھا اور نہ صرف جوانوں اور بوڑھوں بلکہ ننھے ننھے بچوں کو بھی پیاس سے ہلاک کیا، اس فوق العادۃ سنگدلی و سفاکی کے چرچے عام ہو رہے تھے جس سے اموی حکومت اور اس کے مجرم فوجیوں کو ذلت و رسوائی کے علاوہ دوسری قسم کے خطرات بھی تھے۔ دلوں میں نفرت و حقارت کے جذبات ابھر رہے تھے

جو اُن اشقیا کے لئے خطرناک بن سکتے تھے، لہذا اس میں مطلق شبہ نہیں گنجائش نہیں کہ ان کی طرف سے مصائب شہدائے کربلا خصوصاً غیر معمولی پیاس کی عام شہرت کو بے اثر بنانے کے لئے ہر ممکن پروپگنڈا کیا گیا ہوگا۔ شہداء کے کارنامے اس انداز سے بیان کئے گئے ہونگے جس سے ان کی انتہائی مظلومیت کا عام اثر کمزور ہو جائے۔ ان کی شجاعت و سپہ گری کے واقعات ان کی وفاداری و جاں نثاری حق شناسی کی روداد ان کی پابندی واجبات و مندوبات شرع کی نگاہیں پاس آداب طہارت کی کیفیتیں ایسے انداز سے بیان کی گئی ہونگی جس سے ان کی سہ روزہ پیاس کی عام شہرت شکوک و شبہات میں پڑ کر بے اثر ہو جائے۔ اور یہ خیال پیدا ہو جائے کہ شہدائے کربلا کے پاس صبح عاشور تک پانی بکثرت موجود تھا۔ وہ تین دن کے پیاسے نہ تھے اور اگر تھے بھی تو اس لئے نہیں کہ پانی نایاب تھا۔ بلکہ سیاسی مصلحت کی بنا پر۔ ہر مدعی تاریخ نویسی کا یہ فرض عقلی و ذہنی ہونا چاہیئے کہ جن روایات میں شہدائے کربلا کے مدائح و مناقب کے ضمن میں صبح عاشور تک ان کے پاس پانی کا موجود ہونا دکھایا گیا ہے ان پر بصیرت کی آنکھیں بند کر کے فلسفہ تاریخ کے مطابق مشق استنتاج نہ کرے بلکہ اس سے پہلے ان کی اصلی حالت کی تحقیق ضروری ہے۔ ملک العلماء دولت آبادی کے بتائے ہوئے معیار روایات وجود آب کا پرکھنا ہر عاقل و متدین مورخ کا فرض ہے

چونکہ وہ روایات مظلوموں سے زیادہ ظالموں کے حق میں مفید ہیں اس لئے ان کو باعتبار روایت و درایت اس اصول کے ماتحت پرکھنا لازم ہے کہ خونی مجرموں اور معاندوں کا وہ بیان ہرگز لائق قبول نہیں ہو سکتا جو سراسر ان کے حق میں مفید ہو۔ مدعا علیہ کی وہ شہادت جو اس کی صفائی کے لئے نا اس کے جرم کے وزن کو گھٹانے والی ہو کسی عدالت انصاف میں مسموع نہیں ہو سکتی۔ اس تمہید ضروری کے بعد وہ روایات مع نقد و تبصرہ پیش کی جاتی ہیں جن سے آج بھی کربلا میں قحط آب کے منکرین تمسک کرتے ہیں۔

روایت امالی صدوق :-

(۱) اس روایت میں امام حسینؑ کا جناب علی اکبرؑ کو شب عاشور پانی لانے کے لئے بھیجنا اور اصحاب کو کپڑے دھونے اور غسل کرنے کا حکم دینا مذکور ہے۔ یہ روایت اسناد رواۃ اور مضامین و مطالب ہر اعتبار سے مہمل ترین روایات میں ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی عاقل خبیر و متدین اس کو اپنے کسی جائز مقصد کا شاہد کیونکر بنا سکتا ہے۔ کیونکہ اس پر اعتماد و اعتبار کی نظر ڈال لینے کے بعد بہت سے واقعات جو تاریخ کی دنیا میں مسلم الثبوت ہیں مسترد ہو جائیں گے۔

ابن الجعابی محمد بن عمر البغدادی - راوی اول امالی کا محمد بن عمر البغدادی الحافظ ہے۔ اس کے حالات یہ ہیں۔ میزان الاعتدال ذہبی میں ہے جلد ۲ صفحہ ۱۲

محمد بن عمر ابوبکر الجعابی الحافظ من ائمۃ ھذا الشان سبغدادعلی راس الخمسین وثلاث مائۃ الا انہ فاسق رقیق الدین ولی قضاء بالموصل وحدث عن ابی حنیفۃ ومحمد بن الحسن وابن سماعۃ وابی یوسف القاضی ..... لہ مصنفات کثیرۃ ولہ غرائب قیل کان ابن الجعابی یشرب فی مجلس ابن العمید ..... قال الدار قطنی شیعی وذکر انہ خلط۔

"محمد بن عمر ابوبکر الجعابی الحافظ ۳۵۵ھ فن حدیث کے اماموں میں سے تھا مگر فاسق تھا۔ اس کے دین میں کمزوری تھی۔ موصل کا قاضی رہا۔ ابو حنیفہ و محمد بن الحسن اور ابن سماعۃ اور ابو یوسف سے روایت کرتا تھا اوس کی تصنیفیں بہت ہیں۔ عجائب و غرائب بھی اس سے بکثرت منقول ہیں۔ کہتے ہیں کہ ابن الجعابی ابن العمید کی بزم میں شراب پیتا تھا۔ دار قطنی نے کہا ہے کہ وہ شیعی تھا۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ اس کی عقل زائل ہوگئی تھی۔"

لسان المیزان ابن حجر عسقلانی میں ہے (جلد ۵ صفحہ ۳۲۳)

قال الحاکم قلت للدارقطنی بلغنی ان ابن الجعابی تغیر بعدنا فقال وای تغیر فقلت ھذا منھم فی الحدیث قال ای واللہ قال حدث عن الخلیل بن احمد صاحب العروض عشرین حدیثا

"حاکم نے کہا ہے دار قطنی سے میں نے کہا کہ ابن الجعابی ہمارے بعد بدل گیا۔ دار قطنی نے کہا آخر کون سا تغیر ہوا؟ میں نے کہا یہ اس کی حدیث منھی۔ دار قطنی بولے ہاں ابن الجعابی نے خلیل بن احمد صاحب العروض کی طرف اسناد کر کے

باسانید لیس له فیها اصل
قال الخطیب حدثنی عیسیٰ بن احمد
الهمدانی سمعت ابا الحسن بن زرقویه
یقول کنت عند الجعابی نجاء قوم من
الشیعه فدفعوا الیه صرة دراهم قالوا
ایها القاضی قد جمعت اسماء محدثی
بغداد و ذکرت من قدم الیها
و امیر المومنین علی وردها فنسالک
ان تذکره فقال نعم یا غلام هات
الکتاب فجیٔ به فکتب فیه
و امیر المومنین علی یقال انه
قدمها قال ابن زرقویه فلما
انصرفوا قلت له ایها القاضی هذا
الذی الحقته فی الکتاب من ذکره
فقال هؤلاء الذی رأیتهم۔

ہیں روایتیں محض بے اصل نقل کی
کی ہیں۔ خطیب بغدادی نے کہا ہے کہ
مجھ سے عیسیٰ بن احمد الہمدانی نے بیان کیا
وہ کہتے ہیں میں نے ابو الحسن بن زرقویہ
سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں ابن الجعابی
کے پاس تھا دیکھا کہ کچھ شیعہ آئے
درہموں کی تھیلی لئے ہوئے تھے۔
وہ اس کے حوالہ کی اور کہا کہ اے قاضی
تو نے محدثین بغداد کے اسماء جمع کئے
ہیں اور ان محدثوں کا ذکر کیا ہے
جو بغداد میں آئے تھے۔ اور امیر المومنین
علیؑ بھی تو بغداد میں آئے تھے۔ ہم
چاہتے ہیں کہ تو ان کا تذکرہ بھی کتاب میں
درج کر دے۔ ابن الجعابی نے کہا ہاں
کتاب لاؤ جب وہ لائی گئی تو اس میں
لکھ دیا "کہا جاتا ہے کہ امیر المومنین علیؑ بھی بغداد
آئے تھے۔ جب وہ لوگ چلے گئے تو میں نے
ابن الجعابی سے (ابن زرقویہ کہتے ہیں کہ) پوچھا کہ یہ بات
جس کا تو نے کتاب میں الحاق کیا ہے آخر کس نے

بیان کی ہے، ابن الجعابی نے کہا انھیں لوگوں نے جنکو تم نے ابھی دیکھا۔ تاریخ خطیب بغدادی میں ابن جعابی کے حالات مفصل لکھے ہیں ان میں سے کچھ حالات یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

کان کثیر الغرائب ومذهبه فی التشیع معروف...... روی عنه الدارقطنی وابن شاهین وحدثنا عنه ابو الحسن بن رزقویه وابن الفضل القطان و علی بن احمد بن عمران المقری وعلی بن احمد الرزاز ومحمد بن طلحة النعالی والونعیم الحافظ وابو سعید بن حسنویه الاصبهانی وغیرهم سمعت القاضی ابا القاسم التنوخی یقول تقلد ابن الجعابی قضاء الموصل فلم یحمد فی ولایته حدثنی عبید الله بن ابی الفتح حدثنا عبد الرحمٰن بن محمد الاسترآبادی قال سمعت ابا القاسم ابراهیم بن اسماعیل المصری باستراباد یقول کنا بارجان مع الاستاد الرئیس ابی الفضل بن العمید فی مجلس انه

"غرائب روائت بکثرت بیان کرتا تھا۔ اس کا تشیع میں مذہب مشہور ہے اس سے دار قطنی اور ابن شاہین نے روایت کی ہے اور ابو الحسن بن رزقویہ و ابن الفضل القطان و علی بن احمد المقری و علی بن احمد بن احمد الرزاز و محمد بن طلحۃ النعالی و ابو نعیم الحافظ و ابو سعید بن حسنویہ الاصبہانی و غیرہم نے بسند ابن الجعابی ہم سے روایات بیان کی ہیں میں نے قاضی ابو القاسم التنوخی کو یہ کہتے سنا کہ ابن الجعابی موصل کا قاضی بنایا گیا مگر وہ اپنے اس عہدہ میں ممدوح نہیں رہا عبید اللہ بن ابی الفتح نے مجھ سے بیان کیا اس نے کہا کہ مجھ سے عبد الرحمٰن بن محمد الاسترآبادی نے بیان کیا کہ میں نے ابو القاسم ابراہیم بن اسماعیل المصری کو یہ کہتے سنا کہ ہم لوگ بمقام ارجان

وصعنا ابوبکر الجعابی الحافظ النبیل ذی
یشرب فاتی بکاس بعد ما شل قلیلاً
فقال ما اطیق شرابه فقال الاستاذ
الرئیس ولم ذلک؟ فقال لما اقوله
قال فقل فقال یا خلیلی جنبانی الرحیقا
اننی لست للرحیق مطیقا فقال
الاستاذ ولم وهی تجلب المفرح
وتنفی الوحح فقال غیر انی وجدت
للکاس نارًا تلهب الجسم والمزاج
الرقیقا فاذا اجتمعتا مزاجی حرقته
بناره تحریقا - ذکر [illegible]
السلمی انه سأل ابا الحسن الدار
قطنی عن ابن الجعابی هل تکلم
فیه الا بسبب المذهب فقال
خلط -

(تاریخ خطیب بغدادی جلد ۳ ص ۲۹-۳۰)

استاذ رئیس ابوالفضل بن العمید کی مجلس
شراب میں حاضر تھے - ہمارے ساتھ ابوبکر
الجعابی بھی تھا - اور شراب نوشی میں مصروف
تھا - جب اس پر شراب کا نشہ کچھ ظاہر ہوا
تو ایک جام شراب اس کے لایا گیا اس نے
کہا کہ اب مجھ میں اس کی پینے کی طاقت
نہیں ہے - استاذ رئیس نے کہا کیوں؟
اس نے کہا اس شعر کی وجہ سے جو میں
کہہ چکا ہوں - ابن العمید نے کہا وہ کیا ہے
ابن الجعابی نے یہ شعر پڑھا

یا خلیلی جنبانی الرحیقا
اننی لست للرحیق مطیقا

میرے دوستو! شراب مجھ سے الگ کر دو -
میں شراب کی طاقت نہیں رکھتا -
ابن العمید نے کہا کیوں - حالانکہ
وہ فرحت بخش ہے اور غم کو دور
کرتی ہے - تو ابن الجعابی نے یہ شعر پڑھے

غیر انی وجدت للکاس نارًا
تلهب الجسم والمزاج الرقیقا -

ہیں ساتے شراب میں ایسی آگ پائی ہے جو
جسم کو مشتعل اور مزاج رقیق کو گرم کر دیتی
ہے سہ

فاذا ماجمعتها و مزاجی
حرقته بنارہ تحریقا،

جب میں اس کو اپنے مزاج کے ساتھ
جمع کر دیتا ہوں تو اس کو اپنی آگ سے
پھونک دیتی ہے۔

عبید الرحمن سلمی کہتا ہے میں نے ابوالحسن
الدار قطنی سے ابن الجعابی کی بابت یہ پوچھا
کہ مذہب کے علاوہ کسی اور سبب سے
بھی اس کے اندر کلام کیا گیا ہے؟
دار قطنی نے کہا عقل اسکی فاسد ہو گئی تھی۔

ابن الجوزی اپنی تاریخ المنتظم میں لکھتے ہیں
(جلد ۷ مطبوعہ حیدر آباد ص ۳۸)

كان الجعابى يتشيع ويسكن باب البصرة وسأل عن حديثه الدارقطنى فقال خلط وقال البرقانى كان

"ابن الجعابی مذہب تشیع رکھتا تھا اس کی سکونت باب بصرہ میں تھی۔ اس کی حدیث کی بابت دارقطنی سے پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ اس کی

صاحب غرائب ومذہبہ معروف فی التشیع وقد حکے عنہ قلۃ دین وشارب الخمر۔ عقل میں خلل آگیا تھا۔ برقانی کا قول ہے کہ وہ صاحب غرائب تھا دین کی کمی اور شراب خواری کی بات اس کیلئے بیان کی گئی ہے"۔

ان تصریحات علماء رجال سے ظاہر ہوا کہ ابن الجعابی نہایت بدکردار فاسق شرابخوار جھوٹا انسان تھا بے اصل روایات وضع کر لیتا تھا۔ چند درہموں کے لئے بے اصل واقعات کا اپنی تصنیف میں اضافہ کر دینا اس کیلئے ایک معمولی امر تھا۔ جب خلیل احمد کی طرف منسوب کرکے بالکل بے اصل بیس روایتیں تصنیف کر لیں۔ تو ائمہ اہلبیتؑ کی طرف وضعی روایات کو منسوب کر دینا اس کے لئے کیونکر مستبعد سمجھا جا سکتا ہے۔ علاوہ اس کے وہ فساد عقل خلل دماغ وضعف فہم کے عارضہ میں بھی مبتلا ہو گیا تھا اور اس کا بین ثبوت خود زیر بحث روایت ہے کیونکہ اس میں ایسے متعدد واقعات بیان کئے جو خرافت وفساد عقل ہی کی صورت میں بیان کئے جا سکتے ہیں۔ کوئی عاقل بحال صحت ہوش وحواس ان کو بیان نہیں کر سکتا۔

رہا اس کی طرف مذہب تشیع کا منسوب کیا جانا تو علماء اہلسنت کا قدیم زمانہ سے یہ رویہ رہا ہے کہ جس انسان میں حرارت ناصبیت کی کچھ کمی دیکھی اہلبیت نبوی کی جانب اس میں رجحان طبع دیکھا، مناقب اہلبیت میں کوئی بات اس کی زبان سے سن لی۔ اس کو بے تامل مورد الزام تشیع بنا دیا۔ ان لوگوں کی اصطلاح میں اعتزال و تشیع تقریباً مترادف ہو گئے ہیں۔ ان کے

نزدیک اموی و شامی جذبات ناصبیت ہی تسنّن کا حقیقی معیار ہیں۔ اور
راسخ العقیدہ سنی وہی ہو سکتا ہے جو اہلبیتؑ نبوی سے کچھ عقیدت
نہ رکھتا ہو۔ کٹر اموی و عثمانی ہو۔ علمار محدثین و ماہرین فن رجال کی کتابیں
میرے اس بیان کا صدہا ثبوت اپنے سینوں میں محفوظ رکھتی ہیں
جس قوم نے امام حاکم اور امام نسائی کو مورد الزام تشیع بنا دیا
وہ اگر ابن الجعابی کو شیعہ کہے تو اس میں تعجب نہ ہونا چاہیئے۔ بلکہ
اسی سے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ "تشیع" ان کی اصطلاح میں کیسے
معنی رکھتا ہے، اور کن اوصاف اور کن عقائد و نظریات کے لوگ
ان کی طرف سے شیعہ کا خطاب پا سکتے ہیں۔

طرفہ تر یہ کہ ابن الجعابی کو ایک طرف "شیعہ" کہا گیا ہے۔ دوسری
طرف یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ ابو حنیفہ، محمد، یوسف سے عقیدت رکھتا تھا
ان کی روایتیں لے کر دوسروں تک پہنچاتا تھا۔ جس کا محصل یہ ہوا کہ
وہ سنی حنفی بھی تھا اور شیعہ بھی۔ یعنی سنّی ناصبی و خارجی نہ تھا۔ بس
یہ ہے اس تشیع کی حقیقت جو ابن الجعابی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے
یہ کسی عنوان سے ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ ابن الجعابی وہ مذہب تشیع رکھتا
تھا جو تسنن کی نقیض ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو نہ اس کو ابو حنیفہ و محمد و یوسف
سے کوئی ربط ہوتا اور نہ اہلسنت کے بڑے بڑے محدثین مثلاً
دار قطنی و ابن شاہین، ابن الفضل القطان وغیرہم اس سے روایت
لینا کبھی گوارا کرتے۔ کتب تاریخ و رجال شاہد ہیں کہ کبار محدثین

ت سنت اس کے خوشہ چین ہیں اس کی روایات دنیائے تسنن میں جس کثرت
تا سے پھیلی ہوئی ہیں، وہ اس کے خصائص میں سے ہے۔ علماء رجال
بیان ہے کہ اس شخص کو لاکھوں حدیثیں مع اسناد یاد تھیں حفظ
احادیث میں یکتائے زمانہ تھا۔ جب حدیثیں بیان کرتا تھا تو ہجوم ناس
کے راستے بند ہو جاتے تھے۔ جس شخص کو دنیائے تسنن میں یہ مقبولیت
حاصل ہو گیا وہ بھی شیعہ رافضی ہو سکتا ہے؟ اگر اہلسنت شیعوں کی
روایات قبول کر سکتے ہیں تو جناب ابو جعفر کلینی، صدوق ابن بابویہ
روایات بھی کیوں قبول نہیں کرتے۔ یہ حضرات بھی تقریباً اس کے
قریب العہد اور ہم عصر تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ابن الجعابی کو
حقیقت شیعہ تو کہتے ہیں مگر یہ جانتے ہیں کہ کلینی و جناب صدوق کے
تشیع سے اس کا تشیع مختلف تھا۔ وہ شیعہ تھا مگر سنی ہوتے
ہوئے۔ اس کے تشیع کی بابت زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا
ہے کہ وہ بغض اہلبیتؑ کی بیماری میں مبتلا نہ تھا۔ حنفی سنیوں کی طرح
اہلبیتؑ سے بھی کچھ نہ کچھ عقیدت رکھتا تھا۔ اسی لئے جناب صدوق
اس سے تعارف تھا۔ حنفی اور شیعی علماء میں روابط ہر زمانہ میں
رہے ہیں۔ اور رہ سکتے ہیں۔ کیونکہ ان کے درمیان محبت اہلبیتؑ
جامع وجہ اشتراک قرار پائی ہے۔

ابن الجعابی کو دنیائے تسنن میں جو مقبولیت حاصل تھی اس
وقت خطیب بغدادی کا یہ بیان ہے کان ابن الجعابی

علی المجلسہ فتمتلی السکۃ التی یملی فیھا والطریق"

حسن بن عثمان ابو سعید التستری

:۔ (۲) دوسرا راوی جس کی کتاب سے ابن الجعالی نے روایت لی ہے "حسن بن عثمان" ہے اس کے متعلق میزان الاعتدال میں لکھا ہے

الحسن بن عثمان روی عن محمد بن حماد الطھرانی کذبہ ابن عدی وھو ابو سعید التستری۔

جلد اول ص۲۰۵

الحسن بن عثمان روی عن محمد بن حماد الطھرانی کذبہ ابن عدی وھو ابو سعید التستری ثم قال حدثنا الحسن ثنا محمد بن حماد ثنا عبد الرزاق عن معمر عن الزھری عن عکرمہ عن ابن عباس مرفوعاً ان اللہ یمنع القطر عن ھذہ الامۃ ببغضھم علیاً وھذا باطل او حدثنا الحسن) ثنا محمد بن سھل

"حسن بن عثمان کی بابت محمد بن حما[د] طھرانی سے مروی ہے کہ ابن عد[ی] نے کہا وہ جھوٹا ہے۔"

" الحسن بن عثمان حسب روایت محمد بن حماد ابن عدی نے اس کو جھوٹا کہا ہے۔ محمد بن حماد ناقل ہے کہ حسن بن عثمان نے یہ حد[یث] مرفوع بروایت عکرمہ ابن عبا[س] سے نقل کی کہ خدا اس امت سے بغض علیؑ کی بنا پر بارش رو[ک] دے گا اور یہ حدیث باطل ہ[ے] نیز حسن بن عثمان راوی ہے ک[ہ] ابو ہریرہ نے کہا کہ امنا ء تی[ن] ہیں (یعنی ابو ہریرہ) اور جبر[ئیل]

بن عسکر ثنا یزید بن عبد ربہ عن اسماعیل بن عباس عن یحیٰی بن عبید اللہ عن ابیہ عن ابی ھریرۃ مرفوعاً الامناء ثلاثۃ انا وجبرئیل ومعاویۃ وھذا کذب۔ انتھی

اور معاویہ۔ اور یہ روایت جھوٹی ہے۔

...... وقال ابن عدی الحسن بن عثمان بن زیاد بن ابی حکیم کان عندی یضع الحدیث ویسرق حدیث الناس وسألت عنہ عبدان الاھوازی فقال کذاب وقال ابو علی النیشاپوری ھذا الکذاب یسرق الحدیث

ابن عدی کہتے ہیں میری رائے میں حسن بن عثمان حدیثیں وضع کرتا تھا اور لوگوں کی حدیثیں چرالیتا تھا۔ میں نے اس کی بابت عبدان الاھوازی سے پوچھا تو اس نے کہا کہ وہ بڑا جھوٹا ہے ابو علی نیشاپوری کہتے تھے یہ شخص بڑا جھوٹا اور حدیث کا چور ہے۔

معلوم ہوا کہ حسن بن عثمان حدیثوں کا چور۔ احادیث گڑھنے والا اور بڑا جھوٹا تھا۔ علاوہ ان اوصاف کے ایک وصف اس میں یہ بھی تھا کہ وہ بین الاقوامی محدث تھا۔ کبھی حضرت علیؑ ابن ابیطالب کی شان میں حدیث وضع کرتا تھا اور کبھی وصف امانتداری میں معاویہ کو جبرئیل کا ہم مرتبہ قرار دیتا تھا۔ اور اس طرح شیعہ و سنی دونوں فریقوں میں مقبول بنتا

اس کا نصب العین تھا۔ اور ایک ایسا بین الاقوامی اسٹیج بنانا چاہتا تھا جہاں حضرت علیؑ اور معاویہ دونوں کی مدح کی جا سکے۔ مگر اس مقصد میں اس کو ناکامی ہوئی۔ شیعوں نے تو اس کی طرف نظر توجہ کی ضرورت نہ سمجھی، اور سنیوں نے جھوٹا، چور، جعلساز غرض جتنے القاب اور خطابات شایان تھے سب اس کو عطا کر دیئے۔ متضاد خیالات و عقائد رکھنے والوں کے درمیان مشترک اسٹیج قائم کرنے کی خواہش کا یہ حشر چودھویں صدی میں بھی سرمایۂ عبرت بن سکتا ہے بشرطیکہ خدا عبرت لینے کی توفیق عطا کرے۔

ابراہیم بن عبداللہ

(۱۳) تیسرا راوی جس سے حسن بن بن عثمان نے روایت کی ہے ابراہیم بن عبداللہ بن موسیٰ بن یونس بن ابی اسحاق السبیعی قاضی بلخ ہے۔ یہ ابراہیم اور اس کا باپ عبداللہ اور اس کا دادا موسیٰ تینوں مجہول الحال ہیں۔ یہ نہیں بتایا جا سکتا کہ کس خیال اور کس عقیدے کے لوگ تھے۔ اور ان کی اخلاقی و علمی و عملی حالت کیا تھی۔ کیونکہ کتب رجال عامہ و خاصہ ان کے تذکرہ سے خالی نظر آتی ہیں۔ البتہ ابراہیم کا پردادا یونس ابن ابی اسحاق السبیعی ایسا شخص ہے جس کا تذکرہ کتب رجال فریقین میں ہے۔ مگر ان کتابوں سے اس کی جو حیثیت ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے۔

کتاب رجال شیعہ منتہی المقال میں ہے:-

یونس یکنی ابا اسحاق السبیعی مرّ فی ثوید ما یدل علی شدۃ لبغضہ والظاهر انہ هو والدہ من العامہ
ص ۳۳۶

یونس کی کنیت ابو اسحاق السبیعی ہے ثوید نامی شخص کے ذکر میں وہ بات گزری جو اس کی شدت عداوت پر دلالت کرتی ہے۔

تذکرۂ ثوید میں جو بات اس کی شدت بغض پر دلالت کرتی ہے اور جس کی طرف اس عبارت میں اشارہ کیا گیا ہے وہ یہ ہے:-

شبابۃ بن سوار قلت لیونس بن ابی اسحاق مالک لا تروی عن ثوید فان اسرائیل یروی عنہ قال ما اصنع بہ کان رافضیا
(منتہی المقال ص ۲۷)

شبابہ بن سوار ناقل ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میں نے یونس ابن ابی اسحاق سے پوچھا تم ثوید سے روایت کیوں نہیں لیتے، اسرائیل تو اس سے روایت لیتا ہے؟ یونس نے جواب میں کہا ثوید کی روایتیں لے کر کیا کروں وہ تو رافضی تھا۔

معلوم ہوا کہ یونس رافضی مذہب نہ تھا بلکہ ان سے انتہائی بغض رکھتا تھا۔

تہذیب التہذیب میں ہے۔

قال صالح بن احمد عن علی بن المدینی سمعت یحیی وذکر یونس بن ابی اسحاق فقال کانت فیہ غفلۃ شدیدۃ..........

صالح بن احمد علی بن المدینی سے ناقل ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے یحیی کو یونس بن ابی اسحاق کی بابت یہ کہتے سنا کہ اس میں شدید غفلت تھی۔

قال عبد اللہ بن احمد

عبداللہ بن احمد اپنے باپ (احمد بن حنبل) سے نقل کرتے ہیں کہ یونس کی حدیث

عن ابیہ حدیثہ مضطرب قال الساجی صدوق کان یقدم عثمان علی علی وضعفہ بعضھم و قال ابو احمد الحاکم ربما وھم فی روایتہ
ج ۱۱ ص ۴۳۴

مضطرب ہوا کرتی ہے ..... ساجی نے کہا ہے کہ سچا ہے اور عثمان کو علیؑ پر (فضیلت میں) مقدم جانتا تھا۔ بعض لوگ اس کو ضعیف جانتے ہیں۔ ابو احمد الحاکم کا خیال ہے کہ یونس کو روایت احادیث میں اکثر وہم ہو جایا کرتا ہے۔

قال ابن حزم فی المحلی ضعفہ یحیی بن القطان و احمد بن حنبل جداً
ج ۲ ص ۶۳

ابن حزم نے محلی میں کہا ہے کہ یحیی بن القطان اور احمد بن حنبل نے یونس کو بہت ہی ضعیف قرار دیا ہے۔

یوسف ابن ابی اسحاق کے بیٹے موسیٰ یعنی راوی حدیث ابراہیم کے دادا کا تذکرہ کتب رجال میں نہیں ملتا۔ مگر موسیٰ کے بھائی عبد اللہ بن یونس بن ابی اسحاق کا تذکرہ رجال عامہ میں موجود ہے۔ میزان الاعتدال میں ہے:۔ (ج ۲ ص ۸۱)

عبد اللہ بن یونس تابعی ما حدث عنہ سوی یزید بن الھارون

عبد اللہ بن یونس تابعی ہے اس سے یزید بن الہارون کے سوا کسی نے روایت نہیں لی ہے۔

اسی طرح تہذیب التہذیب میں ہے:۔ ج ۶ ص ۸۶

قال احمد فی لذھد ھو شیخ ثقہ

احمد نے کہا وہ شیخ ثقہ تھا۔

ان سب کے سوا رت علی ابواسحاق السبیعی الکوفی کے متعلق محمد بن جریر بن رستم الطبری الدمائی نے کتاب المسترشد میں لکھا ہے۔

ان من اعداء امیر المومنین والمبغضین له ابواسحاق السبیعی ولقد خرج بکربلا من نفسه فیمن یقاتل الحسینؑ والظاهر ان حسن بن علی بن محمد الطبری ایضا نقل کذالک فی کتاب کامل البهائی وذکر لبعض ان هؤلاء الثلاثة من مشاهیر علماء العامة ولکن الظاهر تشیعهم

(ریاض العلماء منقول از سفینة البحار ج ۱ ص ۶۰۷)

امیر المومنین علی بن ابیطالبؑ کے دشمنوں میں ابواسحاق السبیعی بھی تھا اور وہ کربلا میں بھی قاتلان امام حسینؑ کے ہمراہ آیا تھا حسن بن علی بن محمد الطبری نے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے۔ انھوں نے یہ ذکر کیا ہے کہ یہ تینوں اشخاص، ابو اسحاق اور اس کا بیٹا یونس اور یونس کا بیٹا (اسرائیل) مشاہیر علماء عامہ میں سے تھے۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ وہ شیعہ تھے۔

ابو سحاق السبیعی کو رجال شیعہ میں شمار کرنا غفلت و عدم اطلاع کی دلیل ہے۔ مخالفین و اعدائے امیر المومنینؑ میں ہونا اس کا اسی سے ثابت ہے کہ وہ "عمر بن سعد" قاتل امام حسین علیہ السلام سے روایت کرتا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں:۔

عمر بن سعد بن ابی وقاص
الزهری ابو حفص
المدنی سکن الکوفة
روی عن ابیه وابی سعید
الخدری وعنه ابنه
ابراهیم وابن ابنه ابو بکر
بن حفص بن عمر وابو
اسحاق السبیعی

عمر بن سعد بن ابی وقاص الزہری ابو
حفص مدنی کی کوفہ میں سکونت
تھی اپنے باپ اور ابو سعید الخدری سے
روایت کرتا ہے اور اس کے اس
کے بیٹے ابراہیم اور پوتے ابوبکر بن
حفص بن عمر اور ابو اسحاق السبیعی نے
روایت کی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ابو اسحاق السبیعی عمر بن سعد سے بھی روایت لیتا ہے اور اس کو اس قابل سمجھتا ہے کہ اس سے احادیث کی روایت کی جائے کیا عقل و تدین کے نزدیک ایسے شخص پر بھی تشیع کا شبہ ہو سکتا ہے؟۔
نہایت حیرت انگیز امر ہے کہ اس کی بابت صاحب ریاض العلماء نے کس طرح یہ کہدیا ہے کہ وہ شیعہ تھا۔ یہ شخص تو اس اصطلاح کی بناء پر بھی داخل تشیع نہیں ہو سکتا جو علمائے اہل سنت کتب رجال میں استعمال کیا کرتے ہیں۔ عمر سعد سے ربط نیازمندی و تعلق روایات احادیث اس قول کی پوری تائید کرتا ہے کہ وہ کربلا میں فوج عمر بن سعد کے ساتھ رہا ہوگا اور امام حسینؑ سے جنگ کی ہوگی۔

رہ گیا اس کا پوتا اسرائیل تو اس کو بھی "شیعہ" بتانا انتہائی غفلت و بے خبری کا ثبوت دینا ہے کیونکہ یہ شخص رجال اہل سنت میں بڑا اعتبار اور بہت بلند پایہ رکھتا ہے۔ شیخین بخاری و مسلم کا معتمد علیہ ہے۔ صحیحین

میں اس سے روایتیں موجود ہیں۔

کتاب الجمع بین الصحیحین میں ہے (ج ۱ ص ۴۳)

اسرائیل بن یوسف بن ابی اسحاق السبیعی اخو عیسی بن یونس یکنی ابا یوسف سمع جده ابا اسحاق و منصورا عندهما و عاصما الاحول وابا حصین والاعمش عند البخاری	اسرائیل بن یونس عیسی بن یونس کا بھائی ہے۔ ابو یوسف اس کی کنیت ہے۔ اس نے اپنے دادا ابو اسحاق اور منصور سے حدیثیں سنیں۔ یہ تو مسلم اور بخاری دونوں کی رائے ہے اور عاصم احول و ابو حصین و اعمش سے حدیثیں سنیں۔ یہ تنہا بخاری کا قول ہے۔

میزان الاعتدال ذہبی میں ہے (ج اول ص ۸۳)

اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق السبیعی الکوفی احد الاعلام .... روی محمد بن احمد بن البراء عن ابن المدینی اسرائیل ضعیف وقال ابن سعد منهم من یستضعفه قال ابن حزم الظاهری ضعیف قلت اسرائیل اعتمده	اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق السبیعی الکوفی میں سے ہے۔ محمد بن البراء نے ابن المدینی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ ضعیف ہے۔ ابن حزم نے بھی کہا ہے کہ بعض لوگ اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ اور ابن حزم ظاہری نے بھی اس کو ضعیف کہا ہے۔ میں (علامہ ذہبی) کہتا ہوں کہ بخاری و مسلم دونوں نے اعتماد کیا ہے۔ اور

البخاری و مسلم فی الاصول و هو تشبت فی کا سطوانة فلا یلتفت الی تضعیف من ضعفه

وہ (سچائی اور) استقامت قول میں مثل ستون کے ہے۔ لہذا ان لوگوں کا قول قابل التفات نہیں جو اس کو ضعیف کہتے ہیں۔

حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں:-

قاله ابو داؤد قلت لاحمد بن حنبل اسرائیل اذا انفرد بحدیث یحتج به قال اسرائیل ثبت الحدیث قال النسائی لیس به باس ج اول ۲۶۳

ابوداؤد نے کہا میں نے احمد بن حنبل سے اسرائیل کی بابت یہ پوچھا کہ جب وہ کسی حدیث کی روایت میں اکیلا ہو تو روایت حجت ہو سکتی ہے؟ احمد بن حنبل نے کہا اسرائیل روایت حدیث میں سچا ہے امام نسائی کہتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں

کہاں اہل سنت کو حلقہ تشیع میں جگہ دینے کی حرص و ہوس اکثر علمائے شیعہ میں بھی نظر آتی ہے۔ اہل سنت کے متعصب علماء ہر اس شخص کو جس نے جناب امیرؑ اور دیگر اعیان اہلبیت رسولؐ کے حق میں دو چار کلمۂ خیر کہے اور کچھ رجحان قلبی ظاہر کیا، حلقہ اہل تسنن سے خارج کرتے رہے ہیں۔ ان کا صحیح معیار تسنن یہی ہے کہ اہل بیتؑ سے کوئی قلبی و زبانی تعلق نہ رکھا جائے۔ یعنی اگر ان کٹر ناصبی و خارجی ہو اور جہاں انہوں نے کسی شخص پر تشیع کا شبہ ظاہر کیا، علمائے شیعہ نے اس کو اپنے زمرہ میں جگہ دینے میں فیاضی و وسیع النظری کا ثبوت دینا ضروری سمجھا۔ یہ ذوق "شیعہ سازی" یہاں تک بڑھا کہ عمر بن سعد کے عقیدت مندوں اور دوستوں کو بھی شیعہ کہا جانے لگا۔ فاضل مولف شہید الف امینت نے اس ذوق کو اس آخری درجہ پر پہنچایا کہ تمام قاتلان امام حسینؑ کو تشیع کی سند عطا کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اس سے ظاہر ہوا کہ یہ خاندان مذہبی حیثیت سے مخالف تشیع ہے۔ ابراہیم کے متعلق کیونکر یہ امید کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کے خلاف شیعی عقائد رکھتا ہوگا۔

ابراہیم کے بعد روایت امالی بیان کرنے والی تین عورتیں ہیں۔ مرسیہ صفیہ۔ بہجہ۔ مرسیہ اسی یونس بن ابی اسحاق کی پوتی ہے۔ صفیہ کی کی بیٹی ہے۔ یونس ابن ابی اسحاق کا کٹر سنی اور دشمن تشیع ہونا اوپر بیان کر دیا گیا ہے۔ کتب رجال عامہ و خاصہ دونوں ان عورتوں کے تذکرہ سے خالی نظر آتی ہیں۔ البتہ ان کے بزرگ یونس بن ابی اسحاق کی مذہبی حیثیت معلوم ہے۔ جب تک ان عورتوں کا تشیع ثابت نہ ہو سکے کس طرح یہ توہم ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے باپ دادا کے مذہب سے منحرف رہی ہونگی۔ قرائن اسی خیال کی تائید کریں گے کہ وہ اپنے خاندانی مسلک پر رہی ہونگی اور تشیع سے ان کا کوئی واسطہ نہ ہوگا

تیسری راویہ یعنی بہجہ بنت حارث بن عبد اللہ التغلبی خود بھی مجہول الحال ہے اور اس کے باپ کا بھی کوئی تذکرہ کتب رجال میں نہیں ہے تاکہ اس کے عقائد اور اخلاقی حالت کا اندازہ کیا جا سکے۔ اسی طرح اس کے ماموں عبد اللہ بن منصور کے حالات بھی نامعلوم ہیں۔

ان تمام باتوں سے یہ ثابت ہو گیا کہ روایت امالی باعتبار سند بدترین روایات میں داخل ہے۔ اس کا سلسلہ روایت ایسی کڑیوں سے قائم ہوا ہے جن میں اکثر مجہول الحال ہیں اور باقی فاسد العقیدہ، کذاب، فاسق، اور دشمن اہل بیت و شیعہ اہل بیت ہیں۔ پھر کیا کوئی انسان عاقل و متدین ان کی روایات کی بنا پر یہ کہہ سکتا ہے کہ زیارت عاشورہ یا صحیح عاشورہ یا فی موجود

تھا؟ اور کیا محل استدلال میں ایسی روایت سے تمسک کرنا ایک ایسے مذہبی انسان کا کام ہو سکتا ہے جو عوام کو مبتلائے فریب کرنا چاہتا ہو؟

روایت امالی باعتبار درایت غلط بیانیوں کا دفتر ہے

جس روایت کے ناقل ان حیثیات کے مالک ہونگے جو اوپر واضح کی گئیں اس کا باعتبار درایت بھی مجموعہ عجائب و غرائب ہونا خلاف توقع نہ ہوگا۔ اگر تھوڑی توجہ سے کام لیا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ روایت امالی باعتبار مضامین و مطالب بھی غلط بیانیوں کا دفتر ہے۔

پہلی غلط بیانی

راوی نہایت صاف و صریح الفاظ میں کہتا ہے کہ معاویہ نے امام حسینؑ کے حق میں یزید سے عمدہ سلوک اور اچھے برتاؤ کی وصیت کی تھی۔ وہ کہتا ہے :-

لما حضرت معاویۃ الوفاۃ دعی ابنہ یزید لعنہ اللہ فاجلسہ بین یدیہ فقال لہ یا بنی انی قد ذللت لک الرقاب الصعاب ووطئت لک البلاد و مافیہ لک طعمۃ والی اخشی علیک من ثلاثۃ نفر یخالفون

بوقت مرگ معاویہ نے یزید کو بلایا اور سامنے بٹھا کر کہا کہ بیٹا میں نے تیرے لئے سخت گردنوں کو جھکا دیا ہے اور بلاد و امصار کو تیرے واسطے ہموار کر دیا ہے۔ میں تیرے لئے فقط تین شخصوں سے ڈرتا ہوں کہ وہ تیری مخالفت کریں گے۔ عبداللہ بن عمر۔ عبداللہ بن الزبیر۔ حسین بن علیؑ۔ مگر عبداللہ بن عمر

عليك بجهد هم و هم
عبد الله بن عمر بن
الخطاب وعبد الله
بن الزبير والحسين
بن علي فاما عبد الله
بن عمر فهو معك وملازمه
والتابعه واما عبد الله
بن الزبير فقطعه ان
ظفرت به اربا اربا فانه
يجثو لك كما يجثو الاسد
لفريسته ويواربك مواربة
الثعلب للكلب واما الحسين
فقد عرفت حظه من
رسول الله وهو من لحم
رسول الله ودمه و
قد علمت لا محالة ان اهل
العراق سيخرجونه اليهم
ثم يخذلونه ويضيعونه
فان ظفرت به فاعرف
حقه ومنزلته من رسول
الله ولا تواخذه بفعله

تیرے ہی ساتھ ہوگا۔ اس کو
ساتھ لیے رہنا۔ الگ نہ کرنا۔
رہا عبد اللہ بن الزبیر تو اگر اس
کو پانا تو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا کیونکہ
موقع پا کر وہ تجھ پر اس طرح
حملہ کرے گا جیسے شیر شکار پر جھپٹتا
ہے اور تجھ سے اس طرح مکر و دغا
کرے گا جیسے لومڑی کتے
سے کرتی ہے۔ لیکن حسینؑ کا
جو حق رسولؐ کی جانب سے ہے
وہ تو جانتا ہے۔ وہ رسول اللہؐ
کے گوشت و خون ہیں۔ میں
جانتا ہوں کہ اہل عراق ان کو
اپنی طرف بلائیں گے اور پھر
ان کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔
اگر تو حسینؑ پر قابو پانا تو ان کا
حق پہچاننا۔ اور جو منزلت
ان کی رسولؐ سے ہے اس
کو پہچان کر ان کے برتاؤ پر مواخذہ
نہ کرنا۔ علاوہ منزلت رسولؐ
کے ہم لوگوں سے بھی تو قرابت

ومع ذالك فان لنا به خلطة اوحما وايالك ان تنالہ بسوء ويری منك مكروها

و رشتہ داری ہے۔ دیکھنا ایسا نہ ہو کہ حسینؑ کے متعلق تجھ سے کوئی برائی واقع ہو اور وہ تیری جانب سے کوئی مکروہ بات دیکھیں۔

وصیت معاویہ راوی کے الفاظ میں ناظرین کے سامنے ہے۔ اس کو دیکھ کر وہ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ یہ مضمون وصیت نہ صرف مسلمات شیعہ بلکہ دیگر اخبار و روایات کے کہاں تک مطابق ہو سکتا ہے۔ معاویہ کی زندگی بھر کے اعمال و کردار اور جناب امیرؑ سے لے کر امام حسینؑ تک ان کے سلوک و برتاؤ کا جائزہ لینے والے سراپا غرق حیرت ہو کر یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ معاویہ اور یہ جوش خون اور پاس قرابت و رشتہ داری اور لحاظ قرابت پیغمبرؐ؟۔ اللہ رے انقلاب فطرت و استحالۂ طبیعت؟۔ کیا کوئی عاقل یہ تصور کر سکتا ہے کہ معاویہ اور وہی معاویہ جنھوں نے جناب امیرؑ کے خلاف معرکہ آرائی کی، جنھوں نے آپ کے دوستوں اور شیعوں کا استیصال کر دینے میں حکومت و سلطنت کے تمام ذرائع و وسائل صرف کر دیئے، جنھوں نے امام حسنؑ سے جنگ کی اور بعد صلح بھی زہر دغا سے شہید کرایا، جنھوں نے حضرتؑ کی خبر شہادت سن کر اطمینان کی سانس لی، بھرے دربار میں نعرہ تکبیر بلند کر کے دلی مسرت و شادمانی کا اعلان کیا۔ ایک دن انقلاب ماہیت کی کرشمہ سازیوں سے ایسے عزیز پرست اور قرابت نواز ہو گئے تھے کہ قرابت و اتحاد خون کا واسطہ دے کر یزید کو امام حسینؑ سے نیک برتاؤ کی تاکید کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ دیکھنا تیری طرف سے کوئی ناگوار بات ان کے حق میں واقع نہ ہونے پائے؟۔

فاضل مؤلف شہیدان ِ نیت اور ان کے تابعین پر لازم تھا کہ
کہ جہاں امالی میں وجود آب و ذکر غسل دیکھا تھا وہیں اس وصیت
کو بھی بنظر عبرت دیکھ لیتے۔ کیونکہ شہیدانِ نیت میں بنی امیہ و بنی
ہاشم بالخصوص آل ابی سفیان و اہلبیت نبوی کے درمیان نسلی عداوت
و خاندانی خصومت ثابت کرنے میں اور اس کو سبب شہادت حسینؑ قرار دینے
میں کافی تفصیل و تطویل سے کام لیا گیا ہے۔ اگر بنا بر روایت امالی یہ
واقعۂ وصیت معاویہ صحیح مان لیا جائے تو بنی امیہ و بنی ہاشم کی خاندانی و نسلی مخالفتوں
اور عداوتوں کے افسانے بے اصل ہو جائیں گے اور وہ تمام قلمی کاوشیں بے
نتیجہ رہ جائیں گی جو اس عداوت خاندانی کو شہادت حسینؑ کا اصلی سبب
ٹھہرانے میں کی گئی ہیں۔ کیا فاضل مؤلف معاویہ کو ایسا ہی نیک دل۔
قرابت پرست و مائل صلۂ رحمی و عزیز نواز خیر خواہ امام حسینؑ جانتے ہیں جیسا
کہ اس وصیت کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے، کیا ان کا ضمیر و ذوق تحقیق
فلسفۂ تاریخ سے مل کر حقائق و واقعات کی روشنی میں اس وصیت کی
تصدیق پر مائل ہو سکتا ہے؟؟۔ اگر ہو سکتا ہے تو اس کا صاف اقرار
کر لینا چاہیئے تاکہ دنیا کو غلط فہمی نہ رہ جائے۔ اور اگر نہیں ہو سکتا تو جس
روایت میں وہ مذکور ہے اس کی واقعی حیثیت باعتبار درایت کیا ہونی
چاہیئے، کیا وہ مردود ساقط الاعتبار ہونے کے بدلے اس قابل ٹھہرے
گی کہ ایک شیعہ مورخ بزعم خود قوانین تاریخ نویسی کا ماہر ہوتے ہوئے ایک
ایسی بحث میں اس کو اپنے دعوے کا شاہد بنائے جس کا تعلق شہادت
حسینؑ کی عظمت سے ہے ؟ کیا وہ روایتیں جو بے مقصد (؟) کے اعتبار
سے اس کی شاہد ہوں کہ وہ معاویہ شاہی کارخانہ روایت سازی کی

پیداوار ہیں اس قابل ہو سکتی ہیں کہ کسی عالم متدین کی جانب سے عوام شیعہ کے روبرو یہ ثابت کرنے کے لئے لائی جائیں کہ روز عاشور غسل کا جو قصہ ہم نے لکھ دیا ہے وہی صحیح ہے، اس کا انکار محض اس لئے کیا جاتا ہے کہ منکرین کو ہم سے ذاتی خصومت و پرخاش ہے۔

دراصل یہ وصیت اموی حکومت کے شعبۂ نشر و اشاعت و محکمہ روایت سازی کی پیداوار ہے اور اکثر اموی پرست مورخین کی کتابوں میں مذکور ہے اور اس کے ذریعہ غیر شعوری طور پر یہ خیال پیدا کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ معاویہ بڑے حق شناس قرابت دمائل صلۂ رحمی تھے اور امام حسینؑ کے حقوق کا ان کو مرتے دم تک بڑا لحاظ تھا۔ تاریخ طبری میں ہے ج ثانی صہ ۱۹۷

اما الحسین بن علی فان	حسینؑ بن علی کو اہل عراق نہ چھوڑیں گے۔
اھل العراق لن یدعوہ حتی	تیرے خلاف ان کو نکال لائیں گے۔ اگر تو
یخرجوہ فان خرج علیک	ان پر کامیاب ہو جائے تو معاف کر دینا
فظفرت بہ فاصفح عنہ	کیونکہ ان سے قرابت قریبہ ہے
فان لہ رحما ماسۃ	اور ان کا حق عظیم
وحقا عظیما	ہے۔

اس وصیت کے رواۃ کا سلسلہ یہ ہے:۔

ھشام بن محمد عن ابی مخنف قال حدثنی عبدالملک بن نوفل بن مساحق بن عبد اللہ بن مخرمہ

ہشام ابن محمد کے متعلق میزان الاعتدال ذہبی میں ہے:۔

اتھمہ بالکذب محمد	محمد بن علی المصوری الحافظ نے ہشام بن

بن علی الصوری الحافظ لانہ روی حدیثا موضوعا وھو افتہ

محمد کی بابت کہا ہے کہ وہ جھوٹا تھا اس نے موضوع وجعلی حدیثیں بیان کر دی تھی۔

ابو مخنف لوط بن یحیی کی حیثیت عالم اخبار در روایات میں یہ ہے:۔ ذیل ہے:۔

۱) لوط بن یحیی ابو مخنف یوثق بہ ترکہ ابو حاتم وغیرہ وقال الدار القطنی ضعیف وقال ابن معین لیس بثقۃ وقال مرۃ لیس بشیء۔ (میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۳۲۴)

لوط بن یحیی ابو مخنف لائق اعتبار نہیں۔ ابو حاتم وغیرہ نے اس کو چھوڑ دیا ہے۔ دار قطنی نے کہا ہے کہ وہ ضعیف ہے ابن معین کا قول ہے کہ وہ ثقہ نہیں ہے۔ مرہ کہتے ہیں کہ وہ کچھ بھی نہیں ہے۔

عبد الملک بن نوفل کے متعلق صاحب میزان الاعتدال لکھتے ہیں:۔

روی عن ابیہ والی عصام المزنی وکیسان بن سعید المقبری وربیعۃ العنتری و عنہ ابو مخنف لوط بن یحیی وابو اسماعیل الازدی صاحب فتوح الشام وابن عیینہ ذکرہ

عبد الملک بن نوفل نے اپنے باپ سے اور ابو عصام مزنی وکیسان بن سعید المقری اور ربیعہ عنتری سے روایت کرتا ہے اور اس سے روایت کرنے والے یہ لوگ ہیں۔ ابو مخنف لوط بن یحیی۔ ابو اسماعیل الازدی صاحب فتوح الشام۔ ابن عیینہ۔ اس کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا

ابن حبان فی الثقات و روی عبد اللہ بن سلم الفہری عن عبد الملک بن نوفل عن عبد اللہ بن الزبیر و معاویۃ و مروان بن الحکم۔

ہے۔ عبد اللہ بن سلم الفہری نے عبد الملک بن نوفل سے روایت کی ہے۔ وہ عبد اللہ بن الزبیر اور معاویہ اور مروان بن الحکم سے روایت کرتا ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ بدنصیب راوی ایسے تین دشمنانِ اہلبیتؑ سے روایت کرتا ہے جن کا بغض و عداوت مسلم الثبوت اور متفق علیہ ہے۔ عبد اللہ بن الزبیر۔ معاویہ۔ اور مروان جیسے دشمنانِ آلِ رسولؐ کے عقیدتمندوں کی روایت پر اعتماد کرنا اسی شخص کیلئے ممکن ہے جو دین و دانش دونوں سے بے بہرہ ہو۔

روایت امالی کے راوی اگرچہ فاسد العقل اور خلل دماغ کے عارضہ میں مبتلا تھے مگر "دیوانہ بکارِ خویش ہشیار" کے مصداق تھے۔ ان کا خبط بھی حدت زنانگی سے خالی نہ تھا۔ انھوں نے وصیت معاویہ جس کا ماخذ اصلی و مبدأ حقیقی معاویہ شاہی و مروانی پروپیگنڈا تھا اور جس کے راوی علمائے رجال اہلسنت کے نزدیک بھی جھوٹے، غیر معتبر اور دشمنانِ اہلبیتؑ کے عقیدتمند اور طرفدار تھے اس کی روایت ائمہ طاہرین علیہم السلام کی جانب منسوب کر دی۔

دوسری روایت جس میں معاویہ کی وصیت مذکور ہے "عوانہ" سے مروی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

اما الحسین بن علی فانہ رجل خفیف وارجو ان یکفیک اللہ

حسینؑ بن علیؑ مرد خفیف ہیں اور مجھے امید ہے کہ جن لوگوں نے ان کے

بمن قتل اباه واخذ ل
اخاه وان له رحما
ماسة وحقا عظيما و
قرابة من محمد صلعم
ولا اظن اهل العراق
تاركيه حتى يخرجوه
فان قدرت عليه فاصفح
عنه فانی لو کنت صاحبه
عففت عنه
(تاریخ طبری الجزء الاول
من الجلد الثانیہ مطبوعہ لندن
ص ۱۹۷)

باپ کو قتل کیا اور بھائی کا ساتھ
چھوڑا وہی لوگ ان کے مقابلہ میں
تیرے لئے کافی ہونگے۔ ان کی
قرابت قریب ہے اور حق عظیم
ہے۔ آنحضرتؐ سے بھی ان کو قرابت
ہے اور اہل عراق ان کو نہ
چھوڑیں گے تیرے مقابلہ میں ضرور
خروج کرائیں گے۔ اگر تو ان سب قدرت
پانا تو درگزر کرنا۔ اگر میں
ہوتا تو معاف کر دیتا۔

یہ شخص "عوانہ" اموی حکومت کا مورخ و سیرت نویس ہے
سیرت معاویہ و بنی امیہ کے متعلق مستقل کتاب لکھی ہے فہرست
ابن ندیم میں ہے:۔

عوانة بن الحكم بن عياض
بن وزير بن عبد الحارث
الكلبي ويكنى ابا الحكم
من علماء الكوفيين.....
..... له من الكتب كتاب
التاريخ كتاب سيرة معاوية

عوانہ بن الحکم بن عیاض بن وزیر بن
عبد الحارث الکلبی۔ ابا الحکم کنیت
تھی۔ علمائے کوفہ میں سے تھا۔
اس کی کتابوں میں کتاب
تاریخ۔ کتاب سیرت معاویہ
و سلطنت بنی امیہ

ہے (مطبوعہ ص ۱۳۴) ہے۔

حکومت بنی امیہ کے اس نمک خوار مورخ نے جو حق وفاداری و نمک خواری ادا کیا ہوگا، اس کا ایک نمونہ یہ روایت وصیت معاویہ بھی ہے۔

بالجملہ یہ ہیں اموی دور کی وہ روایتیں جو روایت امالی کے راویوں کی بیان کردہ وصیت معاویہ کا اصل ماخذ ہیں اس کو آئمہ اہل بیتؑ کی جانب منسوب کر کے کذب و افترا کا مزید بہ کمال دکھایا گیا ہے۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ پروپیگنڈا کا جو طریقہ اس عہد میں رائج تھا وہ زمانہ حاضرہ کے طریقوں سے کم ترقی یافتہ نہ تھا۔

لائق مؤلف اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ معاویہ نے قتل امام حسینؑ کی کی تدبیر یزید کو بتا دی تھی۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"جتنی فوج کربلا میں حضرت امام حسینؑ کے سامنے موجود تھی وہ تمام تر "کوفی" لوگوں کی تھی اور یہ ایک سیاست تھی جو یزید نہیں بلکہ اس کے باپ امیر معاویہ کے دوررس دماغ کا نتیجہ تھی کہ حضرت امام حسینؑ کے قتل کے لئے اہل کوفہ ہی سے کام نکالا جائے۔ اور اسی لئے معاویہ نے سرجون اپنے غلام کو یہ وصیت سپرد کی تھی کہ ان کے بعد کوفہ کا گورنر عبیداللہ بن زیاد کو قرار دیا جائے۔" ص ۳۳۶

اس کلام میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ مورخین کے اس بیان سے ماخوذ ہے۔

فلما اجتمعت الکتب عند | جب خطوط اہل کوفہ کے یزید کے پاس

یزید دعا سرجون مولی معاویہ فاقراہ الکتب واستشارہ فیمن یولیہ الکوفۃ وکان یزید عاتبا علی عبید اللہ بن زیاد فقال لہ سرجون ارأیت لو نشر لک معاویۃ کنت تاخذ برایہ قال نعم فاخرج عہد عبید اللہ علی الکوفۃ، فقال ھذا رای معاویۃ ومات قد امر بھذا الکتاب فاخذ برایہ وجمع الکوفۃ والبصرۃ لعبید اللہ الخ

(تاریخ کامل ج ۴ صفحہ)

آئے تو اس نے معاویہ کے غلام سرجون کو بلایا۔ وہ خطوط دکھائے اور مشورہ کیا کہ اب کوفہ کی گورنری پر کس شخص کو مقرر کرنا چاہیئے؟۔ یزید عبید اللہ بن زیاد سے اس وقت ناراض تھا۔ سرجون نے کہا اگر معاویہ دوبارہ زندہ ہو کر آئیں تو انکی رائے پر عمل کریگا۔ یزید نے کہا ہاں۔ تب سرجون نے اس کو وہ عہد نامہ حوالہ کیا جو معاویہ نے عبید اللہ کی گورنری کے متعلق لکھا تھا اور کہا کہ معاویہ کی یہ رائے تھی مگر اس پر عمل کرنے سے پہلے مر گئے۔ اس ہدایت نامہ کو تیرے سپرد کرنے کا حکم دے گئے تھے۔ یزید نے اسی رائے پر عمل کیا۔ کوفہ اور بصرہ دونوں کا حاکم عبید اللہ کو بنا دیا۔

کیا فاضل مؤلف اپنے اس اقرار صالح کے باوجود کہ معاویہ نے امام حسینؑ کے قتل کے لیے مؤثر ہدایات یزید کو دی تھیں (یعنی آپ کے قتل کے لئے اہل کوفہ سے کام نکالا جائے اور تحریری وصیت بھی چھوڑی تھی کہ میرے بعد کوفہ کا گورنر عبید اللہ بن زیاد کو قرار دیا جائے) یہ وہم وخیال کسی سلیم العقل

ان کے دماغ میں جگہ پا سکتا ہے کہ معاویہ کو قتل امام حسنؑ منظور نہ تھا؟ بلکہ ہمدردی و صلہ رحمی مد نظر تھی؟ اور مضمون روایت امالی وصیت معاویہ کے مطابق اموی پروپگنڈا نہیں بلکہ حقیقت ہے اور یہ روایت اس قابل ہے کہ محل استشہاد و استدلال میں دنیا کے سامنے ایک ماہر فلسفہ تاریخ کی جانب سے پیش کی جائے؟

عقل کی فطرت سلیمہ تو یہی سمجھتی ہے کہ یہ روایت از سرتا پا اموی حکومت کے مفاد میں ہے۔ راوی نے نہایت خوبی کیساتھ ایک طرف معاویہ کی قرابت پرستی، نیک دلی اور امام حسنؑ کے ساتھ ہمدردی و عافیت کوشی بیان کی ہے اور دوسری جانب غیر شعوری طور پر یہ خیال دلایا ہے کہ امام حسینؑ اور ان کے اصحاب کیلئے قحط آب نہ تھا۔ شب عاشور بھی پانی بمقدار کثیر لایا گیا جو ایک مجمع کثیر کے پینے اور نہانے دھونے کے لئے کافی ہوا۔ ظاہر ہے کہ پیاس بجھانا اور جانوں کو ہلاکت سے بچانا نہانے اور کپڑے دھونے سے زیادہ ضروری امر ہے۔ لہٰذا ان حضرات نے آئندہ ضرورتوں کا لحاظ بھی لامحالہ رکھا ہوگا۔ روایت امالی میں اس وصیت معاویہ کا تذکرہ ہی یہ ثابت کر دینے کے لئے کافی ہے کہ اس کے راویوں کا شیعوں سے ارتباط محض فقہ کا علم کی حیثیت سے تھا۔

دوسری غلط بیانی

فلما هلك معاوية و تولى الامر بعده يزيد بعث عامله على مدينة رسول الله وهو عمه

جب معاویہ نے وفات پائی اور یزید برسر حکومت ہوا تو اس نے اپنے چچا عتبہ کو مدینہ کا حاکم بنا کر

عتبہ بن ابی سفیان فقدم المدینۃ وعلیہا مروان بن الحکم وکان عامل معاویۃ فاقامہ عتبہ من مکانہ وجلس فیہ لینفذ فیہ امر یزید فہرب مروان فلم یقدر علیہ

بھیجا۔ اس وقت حاکم مدینہ مروان تھا۔ عتبہ مدینہ آیا اور مروان کی جگہ لے لی۔ تاکہ یزید کے حکم کا نفاذ کرے۔ مروان بھاگ گیا اور عتبہ اس پر قابو نہ پا سکا۔

ان راویوں کے کمال تاریخ دانی کی آخر کس طرح تعریف کی جائے اور کیونکر داد دی جائے کہ چند ہی فقروں میں عجائب و غرائب بھر دئیے ہیں۔ پہلا کمال تو یہ ظاہر کیا کہ یزید کا چچا عتبہ جس کو واصل جہنم ہوئے زمانۂ دراز گزر چکا تھا اس کو یہ ناقلین روایت اس دنیا میں پھر کھینچ کر لائے اور یزید کے ہاتھوں اس کو مدینہ کا گورنر مقرر کرا دیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ روایت امالی کے رواۃ زن و مرد صرف بیان روایت ہی پر قدرت نہیں رکھتے تھے بلکہ احیائے اموات حسب قاعدۂ تناسخ بھی ان کے اختیار میں تھا۔ دوسرا کمال یہ بیان کرنا ہے کہ اس عہد میں مدینہ کا گورنر مروان بن الحکم تھا۔ تیسرا کمال تاریخ دانی یہ کہ عتبہ کے آنے کے بعد مروان کو مدینے سے اس طرح غائب کر دیا کہ عتبہ اس پر قابو نہ پا سکا۔

دنیا کی تمام اسلامی تاریخیں اس پر متفق ہیں کہ جس عہد میں وفات معاویہ واقع ہوئی اور یزید بر سر حکومت ہوا مدینہ کا حاکم ولید بن عتبہ تھا۔ ۵۷ھ میں معاویہ نے مروان کو معزول کر کے ولید کو حاکم مدینہ مقرر کیا تھا۔ اس وقت سے اس کی حکومت برقرار تھی اور یزید نے اسی کے پاس امام حسینؑ اور عبداللہ بن زبیر وغیرہما سے بیعت لینے کا تحریری حکم بھیجا تھا۔ نیز تاریخ کا یہ بھی متفق علیہ واقعہ ہے کہ ولید بن عتبہ نے یزید کا حکمنامہ پڑھتے ہی

مروان کو مشورہ کے لئے طلب کیا تھا۔ حالانکہ مروان جب سے گورنری سے معزول کیا گیا تھا دونوں میں رقیبانہ جذبات کام کر رہے تھے اور آپس کے تعلقات کشیدہ تھے، نیز جس وقت امام حسینؑ نے ولید سے ملاقات کی ہے مروان پہلے ہی سے ولید کے پاس موجود تھا اور ولید پر زور دے رہا تھا کہ امامؑ سے اسی وقت بدون تاخیر بیعت لے یا شہید کر دے۔

تاریخ کامل میں ہے۔ (ج ۴ ص ۶)

فلما اتاه نعی معاویة فظع به وکبر علیه وبعث الی مروان وکان مروان عاملا علی المدینة من قبل الولید فلما قدمها الولید کان مروان یختلف الیه متکارها فلما رای الولید ذالک منه شتمه عند جلسائه فبلغ ذالک مروان فانقطع عنه ولم یزل مصارما له حتی جاء نعی معاویة فلما عظم علی الولید هلاکه وما امر به من بیعة هؤلاء

جب ولید کو مرگ معاویہ کی خبر ملی تو اس سے گھبرایا اور مروان کو بلا بھیجا۔ مروان ولید سے پہلے حاکم مدینہ تھا۔ جب ولید حاکم مقرر ہو کر آیا تو مروان اس کے پاس آمد و رفت رکھتا تھا مگر بکراہت۔ ولید نے جب یہ بات دیکھی تو اپنے ہم نشینوں کے سامنے اس کو برا بھلا کہا اس کی خبر مروان کو ملی تو اس نے بالکل قطع تعلق کر لیا۔ جب مرگ معاویہ کی خبر آئی اور امام حسینؑ وغیرہ سے بیعت لینے کے بارے میں یزید کا حکم پہونچا تو ولید نے مروان کو بلایا۔ اور وہ خط پڑھ کر سنایا جس میں معاویہ کا

النفر استدعى مروان
فلما قرأ الكتاب
بموت معاوية استرجع
وترحم عليه واستشار
الوليد كيف يصنع قال
ارى ان تدعوهم الساعة
وتامرهم بالبيعة فان
فعلوا قبلت منهم وكففت
عنهم وان ابوا ضربت
اعناقهم قبل ان يعلموا
بموت معاوية الخ

مرنا مندرج تھا اور اس سے مشورہ کیا کہ بیعت کے معاملے میں کیا کرنا چاہیئے ہم مروان نے کہا میری رائے تو یہ ہے کہ اسی وقت ان لوگوں کو بلا کر بیعت کا حکم دے۔ اگر قبول کریں تو خیر، ورنہ ان سب کو قتل کر دے۔ قبل اس کے کہ یہ لوگ معاویہ کے مرنے کی خبر پائیں۔

جن راویوں کے اختلال حواس کی یہ حالت ہو کہ مشہور ترین واقعات میں بھی ہذیان سرائی سے باز نہ رہتے ہوں ان کا بیان غیر معروف واقعات میں کب قابل اعتبار ہوسکتا ہے۔ اگر کوئی داعی تعصب نہ ہو تو کوئی شخص اس طرح کی مہمل روایت کو علم و عمل کی بنیاد قرار نہیں دے سکتا۔

تیسری غلط بیانی

وبعث عتبة الى الحسين بن
علي فقال ان امير المومنين
امرك ان تبايع له فقال

عتبہ نے حسینؑ بن علیؑ کو بلا بھیجا اور کہا کہ یزید نے بیعت کا حکم دیا ہے حسین علیہ السلام نے فرمایا اے عتبہ!

الحسین علیہ السلام یا عتبہ قد علمت انا اھل البیت الکرامۃ و معدن الرسالۃ و اعلام الحق الذین اودعہ اللہ عز و جل قلوبنا و انطق بہ السنتنا فنطقت باذن اللہ عز و جل و لقد سمعت جدی رسول اللہ یقول ان الخلافۃ محرمۃ علی ولد ابی سفیان وکیف ابایع اھل البیت قد قال فیھم رسول اللہ ھذا فلما سمع عتبۃ ذلک دعی الکاتب و کتب بسم اللہ الرحمن الرحیم الی عبد اللہ یزید امیر المومنین من عتبہ بن ابی سفیان اما بعد وان الحسین بن علی لیس یری لک خلافۃ و لا بیعۃ فرائک فی امرہ والسلام

تجھے معلوم ہے کہ ہم لوگ اہلبیت اُمت و معدن رسالت ہیں اور اس حق کے علم ہیں جس کو خدا نے ہمارے دلوں میں ودیعت کیا ہے اور ہماری زبانوں کو اس سے گویا کیا ہے۔ میں نے اپنے نانا رسول خدا کا یہ فرمان سنا ہے کہ خلافت اولاد ابی سفیان پر حرام ہے پھر ہم اپنے گھرانے کی بیعت کیونکر قبول کر سکتے ہیں؟ جن کی بابت پیغمبر نے یہ فرمایا ہے۔ جب عتبہ نے یہ جواب سنا تو کاتب کو بلایا اور یہ خط لکھوایا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یزید امیر المومنین کو عتبہ ابن ابی سفیان کی جانب سے۔ معلوم ہو کہ حسینؑ تجھے خلافت و بیعت کا حق دار نہیں جانتے۔ لہذا ان کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟ والسلام

اس بیان میں امام حسینؑ کا جو جواب مذکور ہے وہ تمام تواریخ اسلامی کے خلاف ہے۔ کتب تاریخ خاصہ وعامہ اس جواب کے تذکرے سے خالی ہیں۔ اگر کسی کتاب میں اس قسم کا جواب مذکور ہو تو اس کا ماخذ بھی روایت عجیبہ ہوگی اور فرع بھی اصل کی طرح ناقابل التفات ہوگی۔ مطالبۂ بیعت کے جواب میں امام حسین علیہ السلام نے جو کچھ ارشاد فرمایا تھا وہ یہ ہے:-

جناب شیخ مفید کتاب ارشاد میں کلبی و مدائنی وغیرہما ارباب سیر کے حوالہ سے لکھتے ہیں:-

فصار الحسین الی الولید بن عتبہ فوجد عندہ مروان بن الحکم فنعی الیہ معاویۃ فاسترجع الحسینؑ ثم قرأ علیہ کتاب یزید وما امرہ فیہ من اخذ البیعۃ عنہ لہ فقال الحسینؑ انی لا اراک تقنع ببیعتی لیزید سراً حتی ابایعہ جہراً فیعرف ذالک الناس

(بحار ج دہم صفحہ ۱۸۳)

امام حسینؑ ولید کے پاس پہنچے تو اس کے نزدیک مروان بن الحکم کو بھی پایا۔ ولید نے مرگ معاویہ کی خبر دی۔ حضرتؑ نے فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پھر ولید نے یزید کا حکم بیعت کے متعلق سنایا۔ حضرتؑ نے جواب دیا۔ میں تو یہ رائے رکھتا ہوں کہ میری مخفی بیعت پر تجھے قانع نہ ہونا چاہئے بیعت علانیہ ہونی چاہئے تاکہ عام لوگ بھی اس سے واقف ہو جائیں۔

تاریخ کامل میں ہے۔

ثم دخل فسلم و مروان عنده فقال الحسین ؑ الصلة خیر من القطیعة و الصلح خیر من الفساد و قد آن لکما ان تجتمعا اصلح اللّٰه ذات بینکما وجلس فاقرأه الولید الکتاب و نعی له معاویة و دعاه الی البیعة فاسترجع الحسین ؑ وقال اما البیعة فان مثلی لا یبایع سرًا و لا تجتزی بها منی سرًا فاذا خرجت الی الناس دعوتهم للبیعة و دعوتنا معهم کان الامر واحدا ۱ ج ۴ صـ ۲

امام حسین ؑ ولید کے پاس آئے اور سلام کیا اس وقت مروان بھی ولید کے پاس موجود تھا۔ اس کو وہاں دیکھ کر حضرت ؑ نے فرمایا یہ ارتباط باہمی قطع تعلق سے اور صلح فساد سے بہتر ہے۔ بارے یہ وقت تو آیا کہ تم دونوں ایک جگہ جمع ہو گئے۔ خدا تمہارے آپس کے تعلقات کی اصلاح فرمائے۔ یہ فرما کر حضرت ؑ بیٹھ گئے۔ ولید نے یزید کا خط پڑھ کر سنایا۔ معاویہ کے مرنے کی خبر دی اور بیعت طلب کی۔ امام حسین ؑ نے انا للّٰہ و انا الیہ راجعون فرمایا اور کہا میرے ایسے انسان کو خفیہ بیعت نہ کرنی چاہیئے۔ تجھے بھی مخفی بیعت پر اکتفا نہ کرنی چاہیئے جب تو تمام لوگوں کو بیعت کیلئے بلائیگا تو ہم کو بھی طلب کر لینا تاکہ ایک ہی معاملہ سب کا ہو

تاریخ بلاذری انساب الاشراف میں ہے (صـ ۱۵ القسم الثانی من جزء الرابع)

اما البیعة فان مثلی لا

رہ گیا بیعت کا معاملہ تو میرے ایسے

مبایع سرا ولا اراك ترضی
منی الا باظهارها علی
رؤوس الناس فاذا
اخرجت الیهم فدعوتهم
الی البیعة دعوتنا فکان
امرنا واحدا

آدمی کو پوشیدہ بیعت نہ کرنی چاہئے
اور تیری مرضی بھی یہی ہوگی کہ علانیہ بیعت ہو اس
کا عام لوگوں پر بھی اظہار ہو جائے۔ لہذا
جب ان کو بیعت کے لئے طلب کرنا تو
ہم کو بھی بلا لینا۔ سب کا امر بیعت ایک ہی
رہے گا۔

تاریخ طبری میں ہے۔

اما ما سألتنی من البیعة
فان مثلی لا یبایع البیعة
سرا ولا اراك تجتزئ
بها منی سرا دون ان
تظهرها علی رؤوس
الناس علانیة

۲۷۰ صفحہ ۲۱ مطبوعہ لندن ذیل
واقعات سنہ ۶۰ھ

اب رہا بیعت کا سوال تو میرے ایسا
شخص خفیہ طور پر بیعت نہیں کر سکتا اور
میں دیکھتا ہوں کہ تو بھی بدون اظہار
عام محض خفیہ بیعت کو کافی
نہ سمجھے گا۔

* * * *

خود مولف شہید انسانیت لکھتے ہیں۔

"رہ گیا یہ امر کہ میں بیعت کر دوں تو ظاہر ہے کہ مجھ ایسے شخص کی بیعت مخفی طور سے تو نہیں ہو سکتی اور نہ غالباً تم اس کو کافی سمجھو گے جب تک کہ اس کا عام طور سے علانیہ اظہار نہ ہو" صفحہ ۲۱۰

شیعہ مشن کے خود ممبر بنئے اور دوسروں کو بھی بنائیے

چوتھی غلط بیانی

فلما ورد الکتاب علی یزید لعنۃ اللہ کتب الجواب الی عتبہ اما بعد فاذا اتاک کتابی ھذا فعجل علی بجوابہ و بین لی فی کتابک کل من فی طاعتی او خرج عنھا و لیکن مع الجواب راس الحسینؑ بن علی فبلغ ذالک الحسینؑ فھم بالخروج من ارض حجاز الی ارض العراق ۔۱۔

جب عتبہ کو یزید کا خط ملا تو اس نے جواب لکھا کہ میرا خط پہنچتے ہی اس کا جواب لکھنا اور اس میں یہ لکھنا کہ کون لوگ میری اطاعت میں داخل ہوئے اور خارج رہے ۔ اور جواب کے ساتھ حسینؑ کا سر بھی ضرور بھیجنا ۔ جب اس کی خبر امام حسینؑ تک پہونچی تو آپ نے سرزمین حجاز سے عراق جانے کا قصد کر لیا ۔

اس بیان سے ظاہر ہوا کہ عتبہ نے امام حسینؑ کے جواب کا خلاصہ یزید کو لکھ بھیجا ۔ جب اس کا جواب یزید کی طرف سے عتبہ کے پاس آگیا اور حضرت کو اس کے مضمون کی اطلاع ہوئی تو مدینے سے سفر کا تہیہ فرمایا اور وہ بھی مکہ جانے کا قصد نہیں کیا بلکہ براہ راست عراق کا عزم کر لیا ۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام خرافات و ہفوات تاریخی مسلمات سے کوئی ربط نہیں رکھتے ۔ محض خلل دماغ کا نتیجہ ہو سکتے ہیں ۔

پانچویں غلط بیانی

وسمع عبد الله بن عمر
خروجه فقدم راحلته
وخرج خلفه مسرعا
فادركه في بعض المنازل
فقال اين تريد يا ابن
رسول الله قال العراق
قال مهلا ارجع الى حرم
جدك فابى الحسينؑ فلما
رأى ابن عمر اباه قال يا ابا
عبد الله اكشف لي عن
الموضع الذي كان رسول
الله يقبل منك فكشف
الحسينؑ سرته فقبلها ابن
عمر ثلاثا وبكى وقال استودعك
الله يا ابا عبد الله فانك
مقتول في وجهك هذا

جب عبداللہ بن عمر نے سنا کہ امام
حسینؑ عراق کی طرف روانہ ہو گئے
تو سواری طلب کی اور چل کھڑے ہوئے
اور بعض منازل میں حضرتؑ کے پاس
پہونچ گئے اور کہا کہ آپ کدھر جا رہے
ہیں؟ فرمایا عراق کی طرف کہا اپنے نانا
رسول خداؐ کے حرم کی طرف واپس جائیے
مگر امام حسینؑ نے اس سے انکار فرمایا
ابن عمر نے جب حضرتؑ کا انکار
دیکھا تو کہا وہ مقام جہاں رسالتمآب
بوسے دیتے تھے وہاں سے لباس
ہٹا دیجئے۔ امام حسینؑ نے ناف
مبارک سے کپڑا ہٹا دیا۔ ابن عمر نے
تین مرتبہ بوسہ دیا اور رو دئے اور
آپ کو خداؐ کے حوالہ کیا۔ آپ اس سفر
میں شہید ہو جائیں گے۔

یہ بیان دو وجہوں سے ناقابل اعتبار ہے۔ اول یہ کہ ابن عمر کا سفر عراق سے مانع ہونا، مکہ سے سفر کے وقت کا واقعہ ہے نہ کہ اس وقت کا جبکہ امام حسینؑ مدینہ سے نکلے تھے۔ دوم یہ کہ ابن عمر کی جو عجیب و غریب فرمائش مذکور ہے

اس کے تذکرہ میں بھی یہ روایت منفرد ہے ابن عمر کو امام حسینؑ کا اس قدر عقیدت مند سمجھنا جتنا راوی کے اس بیان سراپا ہذیان سے ظاہر ہوتا ہے اپنے نفس کو دھوکا دینا ہے۔

یہاں یہ امر بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ رواۃ امالی نے امام حسینؑ کا قیام مدینہ چھوڑنے کے بعد جس منزل میں دکھایا ہے وہ منزل ثعلبیہ ہے جن لوگوں کو واقعات کا علم پہلے سے نہ ہوگا وہ اس بیان کو پڑھ کر یہی سمجھیں گے کہ حضرتؑ نے مدینہ سے چل کر منزل ثعلبیہ میں قیام فرمایا۔ یہی اس سفر کی پہلی قیام گاہ تھی۔

چھٹی غلط بیانی

فاسری الیہ الحر بن یزید فی الف فارس قال الحر فلما خرجت من منزلی متوجہا نحو الحسینؑ نودیت ثلاثا یا حر ابشر بالجنۃ فالتفت فلم ار احدا فقلت ثکلت الحر امہ یخرج الی قتال ابن رسول اللہ ویبشر بالجنۃ فرھقہ عند صلواۃ الظہر فامر الحسینؑ ابنہ فاذن و

حر بن یزید کو ایک ہزار سوار دے کر ہمراہ روانہ کیا۔ وہ کہتا ہے میں گھر سے امام حسینؑ کی طرف جانے کے ارادہ سے نکلا تو تین مرتبہ آواز سنی کہ اے حر! تجھے جنت کی بشارت ہو۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا مگر کوئی نظر نہ آیا۔ تب میں نے کہا اے حر! تو فرزند رسولؐ سے لڑنے جا رہا ہے اور تجھے جنت کی بشارت دی۔ حر امام حسینؑ کے پاس

واقام وقام الحسینؑ فصلے
بالفریقین جمیعا فلما اسلم
وثب الحر بن یزید فقال
السلام علیک یا بن رسول
اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
فقال الحسینؑ وعلیک
السلام من انت یا عبد اللہ
فقال انا الحر بن یزید فقال
ما علینا ام لنا فقال الحر واللہ
یا بن رسول اللہ لقد بعثت
لقتالک واعوذ باللہ من احشر
من قبری وناصیتی مشدودۃ
الی رجلی ویدی مغلولۃ
الی عنقی راکب علی حر وجھی فی
النار یا بن رسول اللہ این
تذھب ارجع الی حرم جدک
فانک مقتول الخ

نماز ظہر کا وقت پہونچ گیا۔ آپ
نے اپنے صاحبزادے کو اذان و
اقامت کا حکم دیا۔ اور نماز کے
لئے کھڑے ہوئے اور فریقین کے
ساتھ نماز باجماعت پڑھی۔ جب سلام
سے فارغ ہوئے تو حر سامنے آیا اور
سلام کیا حضرتؑ نے جواب سلام دیا۔
اور فرمایا اے بندہ خدا تو کون ہے؟
میں نے کہا حر بن یزید۔ فرمایا اے حر!
تو ہمارا مخالف ہو کر آیا ہے یا موافق؟
حر نے کہا فرزند رسول! میں آپ سے لڑنے ہی
کیلئے بھیجا گیا ہوں مگر میں خدا کی پناہ مانگتا
ہوں اس بات سے کہ قبر سے اس حال
میں اٹھایا جاؤں کہ میرا سر پاؤں کی طرف
بندھا ہوا اور ہاتھ گردن سے ادھر کو لٹکے جہنم میں
ڈالدیا جاؤں۔ اے فرزند رسولؐ آپ کہاں جاتے ہیں حرم
رسول کی طرف واپس چلے ورنہ قتل کر دیئے جائیں گے۔

اس بیان خراعت عنوان میں یہ تو کہہ دیا گیا کہ حرؑ جب گھر سے نکلا تو اس
کو ہاتف غیب نے جنت کی بشارت دی۔ اس پر اس کو تعجب ہوا کہ میں تو فرزند
رسولؐ سے لڑنے چلا ہوں پھر بشارت جنت کیسی؟۔ مگر فوج حر کا پیاس سے
بے قرار ہونا اور امامؑ کے حکم سے سیراب کیا جانا ان راویوں کے نزدیک

قابل تذکرہ نہ تھا۔ ایک بات بالکل انوکھی اور اچھوتی یہ کہی گئی کہ فوج حر کے آنے کے بعد رسمی تعارف و ملاقات کی نوبت بھی نہیں آئی ادھر حر مع فوج پہنچا ادھر امامؑ کے حکم سے جناب علی اکبرؑ نے اذان دی اور مصلے بچھ گئے فریقین نماز جماعت پڑھنے لگے۔ جب حر نماز جماعت سے فارغ ہوا تو حاضر خدمت امام ہوا، سلام کیا۔ حضرتؑ نے پوچھا کون ہے؟ عرض کی میں ہوں حر بن یزید۔ فرمایا ہمارا موافق ہے یا مخالف؟ عرض کی فرزند رسولؐ! بھیجا تو گیا ہوں آپ سے لڑنے ہی کے لئے مگر خدا کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ قبر سے اس طرح اٹھایا جاؤں کہ میرا سر پاؤں سے بندھا ہو اور ہاتھ گردن سے اور اسی حالت سے جہنم میں جھونک دیا جاؤں۔ فرزند رسولؐ! آخر آپ کہاں چلے جا رہے ہیں؟ اپنے نانا کے حرم کیجانب واپس چلئے ورنہ آپ قتل کر دیئے جائیں گے۔

ظاہر ہے کہ یہ بیان محض بے اصل اور سراسر ہذیان ہے۔ حر نہ اس اتنا حق شناس و صاحب عرفان تھا اور نہ اس نے حضرتؑ سے یہ باتیں کہیں بلکہ جو احکام اس کو ابن زیاد کی طرف سے دیئے گئے تھے ان کی اس نے حرف بحرف تعمیل کی اور امامؑ کو بھی ان کی پابندی پر مجبور کیا۔

ارشاد شیخ مفید میں ہے:-

فقال له الحر انا لسنا من هؤلاء الذين كتبوا اليك وقد امرنا اذا نحن لقيناك الا نفارقك حتى نقدمك الكوفة على عبيد الله

حر نے کہا ہم ان لوگوں میں نہیں ہیں جنھوں نے آپ کو خطوط لکھے ہیں۔ ہم کو یہی حکم ہے کہ آپ سے جہاں ملیں جدا نہ ہوں۔ یہاں تک کہ آپ کو کوفہ لے جائیں۔ امام حسینؑ نے فرمایا کہ موت

فقال له الحسينؑ الموت ادنی
الیک من ذالک ثم قال
لاصحابه قوموا فارکبوا فرکبوا
وانتظروا حتی رکب نسائهم
فقال اصحابه انصرفوا فلما
ذھبوا لینصرفوا حال القوم
بینھم وبین الانصراف

نیز اسی سلسلہ میں مذکور ہے :-

فقال له الحسینؑ فما تریدُ
قال انی ارید ان انطلق بکَ
الی الامیر عبید اللہ ،
قال اذا واللہ لا اتبعک
قال اذا واللہ لا ادعک فترادا
القول ثلاث مرات فلما
کثر الکلام بینھما قال له
الحر انی لم اومر بقتالک
انما امرت لا افارقک حتی
اقدمک الکوفة فاذا ابیت
فخذ طریقا لا ید خلک الکوفة
ولا تردک الی المدینة
تکون بینی وبینک نصفا حتی اکتب

زیادہ قریب ہے بہ نسبت اس
کے۔ پھر اصحاب کو حکم دیا کہ اٹھو۔
سوار ہو جاؤ۔ وہ لوگ سوار ہوئے اور
اتنا انتظار کیا کہ اہل حرم بھی سوار ہو
جائیں پھر حضرت نے اصحاب کو وہاں سے اپسی
کا حکم دیا۔ وہ لوگ ابھی چاہتے ہی تھے کہ حر کی
فوج درمیان میں آگئی اور پلٹنے سے مانع ہوئی

امام حسینؑ نے فرمایا کہ تیرا کیا ارادہ ہے۔ حر
نے کہا میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ کو امیر
عبید اللہ کے پاس لے چلوں۔ امامؑ نے
فرمایا میں خدا کی قسم تیرا اتباع اس بات میں نہ کرونگا
حر نے کہا میں بھی خدا کی قسم آپ کو نہ چھوڑونگا غرض تین مرتبہ
انھیں باتوں کی تکرار ہوئی جب آپس میں بات
بڑھی تو حر نے کہا مجھے آپ سے جنگ
کا حکم نہیں ملا ہے مجھے یہ حکم ملا ہے کہ آپ سے جدا
نہ ہوں کوفہ لے جاؤں اگر آپ کو اس سے انکار ہے
تو ایسا راستہ اختیار کیجیے جو نہ مدینہ جاتا ہو
اور نہ کوفہ پہونچاتا ہو۔ یہی منصفانہ فیصلہ
قائم رہے اس وقت تک کہ میں امیر عبید اللہ کو
اسکے متعلق خط لکھ بھیجوں گا اور معلوم کر لوں

الحر لا میر عبید اللہ

پھر آگے چل کر لکھا ہے:۔

فلما قرأ الکتاب قال لھم
الحر کتاب الامیر عبید اللہ
یأمرنی ان اجعجع بکم فی
المکان الذی یأتی کتابہ
.... فاخذھم
الحر بالنزول فی ذالک
المکان علی غیر ماء ولا قریۃ
فقال لہ الحسین دعنا ویحک
ونزل فی ھذہ القریۃ او
ھذہ یعنی نینوا والغاضریۃ
قال واللہ لا استطیع ذالک
ھذا رجل قد بعث الی
متنبیا علی۔

اخبار الطوال دینوری میں ہے:۔

فقال الحسین تقدم بنا قلیلا
الی ھذہ القریۃ التی ھی منا
علی غلوۃ وھی الغاضریۃ او ھذہ
الاخری التی تسمی السقبۃ
فنزل فی احداھما قال الحر ان الامیر

کہ اس کی کیا رائے ہے)

جب حر نے خط پڑھ لیا تو کہنے لگا کہ امیر
عبید اللہ کے خط میں حکم درج ہے کہ میں آپ
لوگوں کو وہیں ٹھہراؤں جہاں اس کا خط مجھے
ملے۔ حر نے امام حسینؑ اور ان کے اصحاب کو اس
مقام میں اترنے پر مجبور کیا جہاں نہ
پانی ہو اور نہ کوئی آبادی ہو۔
امام حسینؑ نے فرمایا کہ نینوا یا
غاضریہ ان میں سے کسی گاؤں میں
ہم کو اترنے دو۔ حر نے کہا
کہ مجھے اس کا اختیار نہیں ہے،
یہ شخص جو آیا ہے مجھ پر نگراں
مقرر کر کے بھیجا گیا ہے۔

امام حسینؑ نے فرمایا یہ تھوڑے ہی
فاصلہ پر گاؤں غاضریہ ہے یا دوسری
بستی سقبہ ہے ان میں سے کسی میں ہم کو
اترنے دو۔ حر نے کہا امیر کا
تحریری حکم آیا ہے کہ میں آپ کو

کتب الی ان احلاث علی غیر ماء ولا بلد من الانتہاء الی امرہ

ایسی جگہ ٹھہراؤں، جہاں پانی نہ ہو۔ حکم امیر کی تعمیل کرنا ناگزیر ہے

تاریخ کامل ابن اثیر میں ہے۔ (ص ۳۳۔ ج ۴)

اخذ ھم الحر بالنزول علی غیر ماء ولا قریۃ

حر نے ان کو ایسی جگہ اترنے پر مجبور کیا جہاں پانی تھا نہ کوئی آبادی

صاحب روضۃ الصفا لکھتے ہیں (ص ۶۳۵)

"حر بن یزید نامہ را مطالعہ کردہ بدست امام حسینؑ دادہ، گفت کہ از امتثال امر امیر چارہ نیست از ہمیں مرحلہ فرود باید آمد تا من نزد او بتقصیر منسوب نہ گردم و ہر چند امیر المومنین حسینؑ از حر التماس نمود کہ باہم ما استاں گردد کہ یکے از ان قریہ کہ قریب بہ کربلا بود نزول کنند راضی نہ شد"۔

یہ باتیں تاریخ طبری۔ بحار اور تمام کتب تواریخ و سیر میں مذکور ہیں خود فاضل مؤلف نے شہید انسانیت میں حر کے ابتدائی طرز عمل کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ جو روایت امالی کی تکذیب کے لئے کافی ہے۔

ساتویں غلط بیانی

فبلغ عبید اللہ بن زیاد ان عمر بن سعد لیسایر الحسینؑ و یحدثہ ویکرہ قتالہ فوجہ الیہ شمر

عبید اللہ بن زیاد کو معلوم ہوا کہ عمر بن سعد امام حسینؑ سے راتوں کو باتیں کیا کرتا ہے اور ان سے لڑنا پسند نہیں کرتا۔ تو شمر بن ذی الجوشن

بن ذی الجوشن فی اربعۃ
الاف فارس وکتب الی
عمر بن سعد اذا اتاک
کتابی ھذا فلا تمھلن
الحسین بن علی وخذ بکظمہ
بین الماء وبینہ کما
حیل بین عثمان وبین الماء
یوم الدار

کو چار ہزار سواروں کی جمعیت
دے کر بھیجا اور عمر سعد کو
لکھا کہ جب میرا خط تجھے
ملے اس کے بعد سے
حسینؑ کو مہلت نہ دینا
ان پر تنگی سختی کرنا پانی ان پر بند
کر دینا جب عثمان کے ساتھ کیا تھا

ان راویوں کو واقعات مسخ کر کے بیان کرنے میں خاص اہتمام ملحوظ ہے پھر اسی ہذیان سرائی اور محض دوبارہ بکواس میں اپنا مطلب بھی حاصل کر لیتے ہیں سطور بالا میں جو عنوان بیان اختیار کیا گیا ہے وہ بتا رہا ہے کہ اس سلسلے کی متعدد کڑیاں الگ کر دی گئی ہیں اور سارا بیان غیر مربوط ہے۔ عمر بن سعد اور امام حسینؑ کی ملاقاتوں کا تذکرہ ساقط کر دیا گیا ہے۔ اس ضروری کڑی کے حذف کر دینے کے بعد یہ رواۃ بیان کرتے ہیں کہ جب ابن زیاد کو یہ اطلاع ہوئی کہ عمر بن سعد امام حسینؑ کے ساتھ باتوں میں وقت گزارتا ہے اور آپ سے لڑنا اس کو پسند نہیں تو اس نے شمر بن ذی الجوشن کو چار ہزار سواروں کے ہمراہ بھیجا اور عمر بن سعد کو یہ لکھا کہ جب یہ خط تجھے ملے اس کے بعد حسینؑ کو مہلت نہ دینا نہایت سخت گیری سے کام لینا اور ان پر پانی بند کر دینا جس طرح عثمان پر پانی بند کر دیا گیا تھا۔ اگر ان واقعات کے سلسلہ پر ناظر نہ ہو تو اس روایت کو دیکھ کر یہی سمجھے گا کہ امام حسینؑ پر پانی بند کر دینے کا حکم ابن زیاد کی طرف سے شمر کے ساتھ آیا تھا درآنحالیکہ اس

کی آمد نو تاریخ کو ہوئی تھی۔

خود اس بیان کا تتمہ جو اس کے بعد آتا ہے اسی کا شاہد ہے۔ لہذا یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ پانی کی روک ٹوک صرف نویں تاریخ سے شمر کی آمد کے بعد شروع ہوئی تھی۔ حالانکہ تمام مورخین اس پر متفق ہیں کہ پانی بند کرنے کا حکم صریح ساتویں تاریخ کو آیا تھا اور باضابطہ پہرے نہر پر اسی دن سے بیٹھ گئے تھے۔ نویں تاریخ کو اس حکم سابق کی مزید تاکید کی گئی ہو گی۔ اس کی تائید اخبار الطوال ص ۲۶۷ سے ہوتی ہے۔

آٹھویں غلط بیانی

فلما وصل الكتاب الى عمر بن سعد لعنه الله امر منادیه فنادی انا قد اجلنا حسینا و اصحابه یومهم ولیلتهم فشق ذالک علی الحسین و اصحابه

جب ابن زیاد کا خط عمر بن سعد کے پاس پہنچا تو اس نے منادی کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ ہم نے فقط آج کے دن اور رات کی حسینؑ کو مہلت دی ہے۔ یہ بات امام حسینؑ اور اصحاب پر شاق گزری

راویوں نے سلسلے کے وہ تمام واقعات کالعدم کر دیئے ہیں جو نویں تاریخ کو شمر کے آنے اور عمر سعد کے نام ابن زیاد کا عتاب نامہ لانے کے بعد ظاہر ہوئے یعنی عمر بن سعد کا خیام حسینی کی طرف بڑھنا، امام حسینؑ کا جناب عباسؑ کو بھیج کر ایک شب کی مہلت طلب کرنا، عمر سعد کا شمر وغیرہ سے مشورہ اور بحث و مباحثہ کے بعد مہلت دینا۔ ان واقعات کے بدلے ایک غلط واقعہ اپنی طرف سے تصنیف کر دیا ہے کہ ابن زیاد کا خط پڑھنے کے بعد عمر سعد نے خود اپنے منادی سے یہ اعلان کرا دیا کہ میں نے حسینؑ و اصحاب حسینؑ کو آج رات کی

مہلت دی ہے اور یہ اعلان ان حضرات کو شاق گزرا۔

نویں غلط بیانی تمیم بن حصین

عسکر عمر بن سعد رجل آخر فقال لہ تمیم بن الحصین الفزاری فنادی یا حسینؑ ویا اصحاب حسینؑ اما ترون الی ماء الفرات یلوح کانہ بطون الحیات واللہ لا ذقتم منہ قطرۃ حتی الموت جزعا فقال الحسین علیہ السلام من الرجل فقیل تمیم بن الحصین فقال الحسینؑ ھذا وابوہ من اھل النار اللھم اقتل ھذا عطشا فی ھذا الیوم قال فخنقہ العطش حتی سقط عن فرسہ فوطئتہ الخیل بسنابکھا فمات

پھر عمر بن سعد کے لشکر سے ایک شخص نکلا جس کا نام تمیم بن الحصین الفزاری تھا اس نے پکار کر کہا اے حسینؑ و اصحاب حسینؑ! دیکھتے ہو پانی فرات کا سانپوں کے پیٹ کی طرح کیسا صاف و شفاف ہے۔ مگر خدا کی قسم تم لوگوں کو موت کے وقت تک ایک قطرہ بھی اس کا نہ ملے گا۔ امام حسینؑ نے فرمایا یہ کون ہے؟۔ لوگوں نے کہا تمیم بن الحصین حضرتؑ نے فرمایا یہ اور اس کا باپ جہنمی ہے اے خدا! اس کو آج پیاسا ہی ہلاک کر۔ راوی کا بیان ہے کہ پیاس نے اس کا گلا گھونٹ دیا اور گھوڑے سے گر پڑا اور گھوڑوں نے اس کو اپنے سموں سے روند دیا جس سے وہ واصل جہنم ہو گیا۔

یہ واقعہ ایک دوسرے شخص کا ہے جس کا نام عبد اللہ بن ابی الحصین الازدی تھا اور اس کی کیفیت تحریرات سابقہ میں بیان کردی گئی۔

باسمہ سبحانہ

سلسلۂ اشاعت شیعہ مشن لکھنؤ
رسالہ نمبر ۳

واعطشاہ

جس میں مسئلۂ عطش حضرت سید الشہداء
کے مخالف و موافق دونوں پہلو سے فن تاریخ
کی روشنی میں بحث کی گئی ہے

مصنفہ

محقق المعی علامہ سید محمد رضی صاحب قبلہ زنگی پوری اعلی اللہ مقامہ

مطبوعہ

اکرام حسین پریس پیر پہاڑ گھاٹ وارانسی

فون نمبر ۶۶۰۳۸

باسمہ سبحانہ

شیعہ مشن لکھنؤ کی تیسری پیشکش

کتاب "واعطشاہ" اب سے چودہ برس قبل ۱۳۷۸ھ
مطابق ۱۹۵۸ء میں مجلہ علمیہ "الجواد" بنارس کے محرم نمبر میں اور
اُسی سال کتابی شکل میں شائع ہوئی تھی لیکن مسئلہ عطش حضرت
سید الشہداء علیہ السلام پر یہ نادر کتاب نایاب ہو گئی تھی۔ ادھر چند ماہ سے
کچھ بے سواد و گمراہ افراد نے روز عاشورہ وجود آب کے ثبوت کی ناکام کوشش
شروع کی ہے۔ اس لئے ارکان "شیعہ مشن" نے ضروری خیال کیا کہ اسے
پھر سے شائع کر دیا جائے تاکہ مومنین کے عقائد محفوظ رہیں اور وجود آب
کی بحث ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔

اُمید ہے کہ ارکان "شیعہ مشن" اپنے محبوب ادارہ کی اس
گراں قدر خدمت کو پسند فرمائیں گے۔

ناظم

شیعہ مشن لکھنؤ ۳

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

علمی دنیا میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب انسان مسلّمات و متواترات کے خلاف رائے اختیار کرتا ہے تو تناقض و تہافت کی کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے مسئلۂ زیر بحث کے متواتر و مسلّم الثبوت اور قطعیت کے مرتبہ پر پہنچے ہوئے ہونے سے اس کے انکار صریح میں فطری طور پر جھجک پیدا ہوتی ہے اور اغراض و داعی اس کے انکار پر مجبور کرتے ہیں۔ اس سے ذہنی اضطراب کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور عقلی توازن برقرار نہیں رہ سکتا۔ جس سے کوئی محقق رائے دنیا کے سامنے نہیں پیش کی جا سکتی۔

عہد حاضر میں "کتاب شہید انسانیت" کے لائق مؤلف نے اپنے طرز عمل سے اس "معمول دنیا" کی نہایت واضح مثال پیش کی ہے۔ سید الشہداء امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اہلبیتؑ و اصحاب پر تین دن پانی بند کر دیے جانے کی وجہ سے جو انتہائی شدت عطش گذری وہ ضرب المثل اور زباں زدِ خاص و عام اور مسلّمات و متواترات میں داخل ہے۔ مگر لائق مؤلف کی جدت نواز طبیعت نے غالباً کسی ضرورت کی بنا پر صبح عاشور امامؑ کے غسل فرمانے اور آداب طہارت بجا لانے کا تذکرہ مناسب سمجھا۔ (ممکن ہے کہ وہ یہی ضرورت رہی ہو کہ کوئی نئی سی تحقیق فلسفۂ تاریخ کی صورت میں درج کتاب ہونی چاہیئے) اور اس تذکرہ

کی ضرورت واہمیت آپ کی نظر میں اتنی تھی کہ بے لطفی تکرار اور اعادہ کا لحاظ نہ کرتے ہوئے اُس کو بار بار دُہرایا۔ چونکہ یہ افسانہ عسل جدت و تازگی سے خالی نہ تھا اور ایک ایسی زبان قلم سے نکل کر منظرِ عام پر آیا تھا جس کے دامن ذوقِ تحقیق سے شیعہ قوم کا حسن ظن وابستہ رکھتی تھی اور جس کی ہر لفظ فریب گردش پر مغربی تاثرات رکھنے والے دماغوں کو یہ دھوکا ہوتا تھا کہ وہ ضرورت وقت کو پورا کرنے والی ہوگی۔ لہذا مشتاق و متجسس نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ سکا کہ "کل جدید لذیذ" کلیہ ضرور ہے مگر استقرائی کلیہ ہے جو استثناء سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں مآل اندیشی و تجربہ کاری کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ خلاف اُمید یہ جدت طرازی اہل ذوق کے لئے بجائے لذت بخش ہونے کے باعث تلخ کامی ثابت ہوئی۔ جس پر وہ صبر نہ کر سکے اور ہر طرف سے احتجاج و اختلاف کا غلغلہ شروع ہو گیا۔

لائق مؤلف اور اُن کے سرگرم معتقدین کا یہ دعویٰ ہے کہ کتاب "شہید انسانیت" (باوجود اس کے کہ طبع و اشاعت و بیع و شراء کے تمام مراحل طے کر چکی ہے) ہنوز مختتم اور مستقل کتاب نہیں ہے بلکہ محض مسودہ اور ابتدائی خاکہ ہے اور بغرض استصواب و اظہار آراء شائع کی گئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ سوال محض اصطلاح سے متعلق ہے اور ہر شخص اس کا مجاز ہونا چاہئے کہ وہ حسب مرضی اصطلاحات قائم کر سکے۔ اگر بین الاقوامی اشاعت اور عام خرید و فروخت کے بعد بھی اس کتاب پر از روئے اصطلاح مسودہ ہی کا اطلاق ہوتا ہے تو کسی کو اس سے تعرض نہ کرنا چاہئیے۔ ہر سابق ایڈیشن کو اگر اصطلاحی طور پر لاحق ایڈیشن کے مقابلہ میں "مسودہ اور غیر مختتم" کہا جائے ارباب معنی کو لفظی بحثوں میں اُلجھ کر وقت نہ ضائع کرنا چاہئیے۔ ہاں محض مسودہ ہے اور غیر مختتم

ابتدائی خاکہ جو بغرض استصواب و اظہار آرا اولی الالباب شایع کیا گیا ہے۔ مگر پھر بھی یہ بات کہنے میں ضرور آیئگی کہ جب اشاعت مسودہ کا اصلی نصب العین مختلف آرا و خیالات کا معلوم کرنا ہی تھا تو تمام اختلافات و اعتراضات کا عین مقصد اشاعت کتاب تصور کر کے خیر مقدم کرنا چاہئے تھا غرض استصواب پوری ہو رہی تھی۔ اہل ذوق اپنی آرا و خیالات اس کے متعلق ظاہر کر رہے تھے۔ اس لئے مناسب تھا کہ تمام اختلافات اور نکتہ چینیوں کو پر سکون جذبات کے ساتھ قبول کر لیا جاتا۔ اور ان کی روشنی میں کتاب (یعنی مسودہ اور ابتدائی خاکہ) کی حسب ضرورت اصلاح و ترمیم کر دی جاتی جو استصواب و اظہار آراء کا اصلی نصب العین تھی۔

مگر افسوس ہے کہ ایسا نہیں ہوا بلکہ بحث و مباحثہ کا آغاز کر دیا گیا۔ رسائل و پمفلٹ شائع ہونے لگے۔ مسلسل تطایر کتب کا حشر یہ ہوا کہ استصواب و اظہار آراء کی جو غرض و غایت ظاہر کی جاتی تھی وہ پوری نہ ہو سکی۔ لائق مؤلف کا تمام نکتہ چینیوں کو بر بنائے خصومت تصور کر لینا غلط تھا اور اس غلطی نے لا متناہی غلطیوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ (خدا کرے کہ ایسا نہ ہو)

اس میں شبہ نہیں کہ اہل لکھنؤ کی خوش قسمتی اُن کے یہاں دلچسپی کے اسباب ہمیشہ مہیا رکھتی ہے۔ فرقہ پروری کی چہل پہل ہر زمانہ میں اہل ذوق کے شغل بیکاری اور تفریح طبع کا سامان اپنے اندر فراہم رکھتی ہے مگر لکھنؤ یا دوسرے مقامات کے ان تمام علمی و مذہبی حلقوں کو جنھوں نے سراپا بحرا "شہید انسانیت" میں ترمیم و اصلاح کی ضرورت جتائی تھی اپنا مخالف سمجھ لینا مناسب نہ تھا۔ اور پھر مؤلف "شہید انسانیت" کو اتنا عالی ظرف اور وسیع الخیال ہونا چاہئے تھا کہ اپنے مخالفین کے اعتراضات پر

بھی سنجیدگی سے غور فرماتے اور مباحثات بیجا میں نہ پڑتے۔ اوصاف مذکورہ کا ثبوت نہ دے سکنے کی وجہ سے صورت حال پیچیدہ ہو گئی۔ جہانتک "شہید انسانیت" کی غلطیوں کا تعلق ہے یہ تاویل ممکن تھی کہ بدنیتی کو ان میں دخل نہیں وہ خطائے اجتہادی کا نتیجہ ہیں یا ناتجربہ کاری اور غیر معتدل خواہش شہرت طلبی کا ثمرہ، اور ان کی اصلاح کی جا سکتی ہے مگر اس کے بعد جو رسائل اور پمفلٹ شائع کئے گئے ہیں وہ ہر طرح کے علمی و اخلاقی مواد سے خالی ہیں۔ ضد اور اصرار بیجا کو عقائد عوام شیعہ کی قربان گاہ بنایا گیا ہے اور یہ صورت اُن طبائع کے لئے بھی قابل برداشت نہیں جو حد سے سوا امن پسند و عافیت کوش ہیں اور مائل اعتدال رہنا ان کا فطری خاصہ ہے۔

فاضل مؤلف کی حمایت میں جو لٹریچر پبلش کیا گیا ہے اُس کو پڑھنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شخصی وقار سب سے اہم نظریہ بنا ہوا ہے۔ حق و ناحق کا کوئی سوال نہیں۔ غریب عوام کے عقاید کا کیا حشر ہو گا اس سے بحث نہیں۔ ایک طرف تحفظ وقار شخصی کا جذبہ حکایت غسل کی توثیق و تصحیح کو لازم ٹھہراتا ہے دوسری جانب نایابی آب کی مسلّم الثبوت کی حقیقت کا انکار بھی آسان نہیں۔ اِس کشمکش میں سفینۂ ذوق تحقیق مضطرب الجانبین ہو رہا ہے معترضین کے مقابلہ میں دفاع کی ہر سعی دوسری سعی کو غیر مشکور اور ہر کاوش دوسری کاوش کو ناکام بنا رہی ہے۔ حکایت غسل کی تائید کے لئے ضروری ہے کہ صبح عاشور تک پانی کا نہ صرف وجود بلکہ افراط و فراوانی بھی ثابت کی جائے اور اس کے لئے روایات نادرہ و مجہولہ تلاشش کی جا رہی ہیں۔ اور علماء و محدثین کی بلند شخصیتوں کو سامنے لا کر یہ فریب دیا جا رہا ہے کہ جو روایات ایسے ایسے علماء مذہب کی کتابوں میں ہوں گی وہ لامحالہ معتبر و موثق

ہی ہونگی۔ شیخ صدوق، شیخ مفید، سید رضی الدین ابن طاؤس، علامہ مجلسی، جناب غفرانمآب، علامہ کنتوری، حضرت ناصر الملۃ کی بلند ترین شخصیتوں کی آڑ لے کر عوام کو یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ یہ حضرات بھی کربلا میں قحط آب کے قائل نہ تھے۔ صبح عاشور تک پانی بکثرت موجود تھا۔

تصحیح افسانہ غسل کی آرزو جہاں روایات نادرہ کی داعی ہے وہاں نایابی آب اور شہداء کی سہ روزہ پیاس کا انکار صریح بھی اس کے لئے آسان نہیں۔ اس دردانگیز حقیقت کی انتہائی شہرت وجہ کاہش جانِ آرزو بنی ہوئی ہے۔ اِس کا صاف انکار کس طرح کیا جائے۔ جبراً و قہراً معترضین سے یہ کہا جاتا ہے کہ: کیا صفحات شہید انسانیت میں امام حسینؑ اور آپکے ہمراہیوں پر ساتویں محرم سے پانی بند کیا جانا درج نہیں ہے؟ کیا "شہید انسانیت" میں شہدائے کربلا کا تین روز کا بھوکا پیاسا ہونا صراحت کے ساتھ مذکور نہیں ہے؟

غرض آشیان طائر ذوق تحقیق دو عملے میں ہے۔ منطقی اُدھیڑ بن کا آیتی نقضت غزلہا من بعد قوۃ انکاثاً کا صحیح نقشہ کھینچ رہی ہے۔ یہ واضح نہیں ہوسکتا کہ مسئلہ آب میں لائق مؤلف کی مختتم و محقق رائے کیا ہے۔ کربلا میں تین روز قحط آب تھا یا صبح عاشور تک پانی کی فراوانی تھی۔ یا پانی نایاب بھی تھا اور موجود بھی۔؟ اس مسئلہ میں "شہید انسانیت" اور دوسرے پمفلٹ اور رسائل سے جو شیعی دنیا میں لائے گئے ہیں ان سب سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کربلا میں پانی کے قحط و نایابی کے قائل تو ہیں مگر اُس کے بکثرت و فراوانی موجود ہونے کے ساتھ۔ اور اس طرح آپ کے نزدیک تناقض و تہافت و اختلاف بیانات میں کوئی نقص و عیب نہیں ہے اور اجتماع نقیضین بنا بر تحقیق تازہ مرتبہ

استحالہ و امتناع سے گر گیا ہے۔ نیز آپ کی تحقیق فلسفۂ شہادت کی بنا پر سید الشہداؑ اور آپ کے رفقاء تین دن کے پیاسے تھے مگر اس وجہ سے نہیں کہ پانی نایاب تھا بلکہ کثرت آب کے باوجود پیاسے تھے۔ وضو کرتے، غسل کرتے، کپڑے دھوتے تھے، صرف پیتے نہ تھے کیونکہ مصلحت مانع تھی۔ پیاسا رہنا ان کا اختیاری فعل تھا۔ قحط آب باعث عطش نہ تھا۔ یہ ہے مسئلۂ آب میں "شہید انسانیت" اور اس کے معاون دیگر رسائل کے مضامین نادرہ کا خلاصہ۔

ناظرین پہلے ان صفحات کی سیر فرمائیں جن کی طرف پمفلٹ "چھیانوے سوال" میں توجہ دلائی گئی ہے۔

نایابی و قحط آب کے متعلق "شہید انسانیت" کے تصریحات

(۱) ساتویں سے پانی بند ہو جانے کے بعد پھر سید سجادؑ کے لئے بھی پانی کا ایک قطرہ ملنا ناممکن ہو گیا۔ ایک ایسے بیمار کے لئے یہ ناقابل برداشت تعب کچھ کم نہیں ہے۔ (شہید انسانیت ص۲۲۴)

(۲) دریا پر فوج کا پہرہ بٹھا دیا گیا تھا اور ایک قطرہ پانی کا حسینؑ اور ان کے ساتھیوں تک پہنچنا ممکن نہ تھا۔ ص۸

(۳) تمازت آفتاب میں ترقی ہوتی جاتی ہے۔ میدان جنگ میں عرب کے ریگستان اور کھلے ہوئے صحرا کی سخت دھوپ میں پیاس کا طوفان ایکدم ترقی کرتا جاتا ہے۔ ص۲۵۴

(۴) کربلا میں ساتویں تاریخ سے پانی بند ہو گیا تھا۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ

غذا موجود تھی۔ جیسا کہ جناب شیخ جعفر شوستری نے لکھا ہے یقیناً غذا بھی میسر نہ تھی اور اس لئے امام حسینؑ اور اُن کے اہلحرم جس طرح تین دن کے پیاسے تھے وہ تین دِن کے بھوکے بھی تھے۔ صفحہ ۲۴۴

(۵) وہ چشمۂ ہمدردی جس نے ابھی چند روز ہوئے اپنے دشمنوں کی پوری فوج کو سیراب کیا تھا اب اُس کے ننھے ننھے بچے ایک ایک قطرے کو ترس رہے ہیں۔ صفحہ ۲۱۵

(۶) اصحاب حسینی کی بابت لکھتے ہیں:۔

"قلت تعداد، بے کسی و بے بسی، یقینی بربادی اور تین دن کی بھوک پیاس اور حکومت کا عتاب، جس کا نتیجہ اپنے ہی نہیں بلکہ اپنے پسماندگان اور اولاد کے لیئے بھی پشت شکن اور طاقت ربا ہونے کیلئے کافی ہے"۔

(۷) اتنے بڑے لشکر کا سامنا، بھوک پیاس کی شدت سے کسی کے دم میں دم نہیں۔

ان تمام اقتباسات سے یہ بات تصریح و توضیح کے آخری مرتبہ پر پہنچ جاتی ہے کہ محرم کی ساتویں تاریخ سے پانی اس سختی سے بند تھا کہ ایک قطرہ بھی امام حسینؑ اور آپ کے ہمراہیوں تک پہونچنا ناممکن تھا۔ عدم امکان کی یہ حد تھی کہ بیمار کربلا سید سجادؑ کے لئے بھی پانی کا ایک قطرہ ملنا غیر ممکن ہو گیا تھا۔ امامؑ اور رفقائے امامؑ تین دن کے بھوکے اور پیاسے تھے۔ اور بھوک اور پیاس کی شدت سے کسی کے دم میں دم نہ تھا۔ ننھے ننھے بچے ایک ایک قطرہ پانی کو ترس رہے تھے۔

بے شبہ فاضل مؤلف نے مندرجہ بالا اقتباسات میں صفحات کتاب پر قحط آب کی نہایت مکمل تصویر کھینچی ہے۔ اُن کے نکتہ چیں بھی اس سے

زیادہ اور کچھ نہیں کہتے اور نہ کہہ سکتے ہیں۔ مگر فاضل مؤلف کے قلم غرائب رقم کا کھینچا ہوا "شہید انسانیت" ہی کے صفحات پر تصویر کا دوسرا رخ بھی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ساتویں تاریخ سے نہر پر یزیدی فوج کی روک ٹوک کمزور تھی۔ لہٰذا محافظ فوج کو مغلوب کر کے خیام حسینی میں پانی کثیر مقدار میں پہونچا دیا گیا۔ قحط آب کے عوض پانی کی اتنی فراوانی تھی کہ صبح عاشور امامؑ اور اصحاب امامؑ نے مندوبات شرع بھی ادا کئے اور آداب طہارت مندوبہ بجالائے۔ مندرجہ ذیل اقتباسات ملاحظہ ہوں:-

افراط آب نہ کہ قحط آب

(۱) جب عمر سعد کی طرف سے نہر پر پہرے بٹھا دیئے گئے اور امامؑ اور ان کے ساتھیوں پر پانی بند کر دیا گیا اور پیاس کا بہت غلبہ ہوا تو امامؑ نے اپنے بھائی ابوالفضل العباسؑ کو پانی لانے پر مامور کیا۔ یہ غالباً آٹھویں یا نویں شب کا ذکر ہے۔ جناب عباسؑ تیس سوار اور بیس پیادوں کے ساتھ بیس مشکیزے لیکر آگے بڑھے اور نہر کے قریب پہونچے۔ نافع ابن ہلال نے علم اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور سب کے آگے ہو گئے۔ عمرو بن حجاج زبیدی نے جو نہر کا محافظ تھا ٹوکا اور کہا کون ہے جو نہر پر جا رہا ہے۔ عمرو بن الحجاج قبیلۂ زبیدہ سے تھا جو مذحج اور مراد کی ایک شاخ ہے۔ اور قبیلۂ جمل جس سے نافع تھے یہ بھی مراد کی ایک شاخ ہے۔ اس لئے نافع نے جب اپنا نام بتایا اور قبیلہ کا پتہ دیا اور کہا کہ ہم پانی پینے آئے ہیں تو عمرو نے کہا "پیو تم شوق سے، تمھیں پینا گوارا ہو۔"

نافع نے کہا۔ "میں اکیلے تھوڑے ہی پیوں گا درصورتیکہ حسینؑ اور انکے سب اصحاب پیاسے ہوں۔"

یہ سننا تھا کہ فوج مخالف آگے بڑھی اور کہا۔ "یہ تو ممکن ہی نہیں کہ پانی اُن تک پہونچے۔ ہم مقرر اسی لئے کئے گئے ہیں کہ پانی فوج حسینیؑ تک نہ جانے دیں۔"

نافع ان لوگوں سے گفتگو کے لئے آگے بڑھے اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم لوگ جلدی مشکیں بھر لو۔ پیادے تیزی سے بڑھے اور انھوں نے مشکیں پُر کرلیں۔ اُدھر نگہبانوں کی فوج آگے بڑھی۔ جناب عباسؑ اور آپ کے ساتھ ہلال بن نافع اور دوسرے بہادروں نے اُن سے کہا کہ تم لوگ خیموں کی طرف چلو اور خود وہیں کھڑے رہے۔ پاسبانوں کی فوج نے پھر بڑھکر حملہ کیا اور کچھ جنگ ہوئی۔ اس موقع پر نافع بن ہلال نے عمرو بن الحجاج کے ساتھیوں میں سے ایک شخص کو جو قبیلۂ صدا سے تھا نیزہ لگایا۔ بظاہر وار اُوچھا تھا اور کوئی اثر محسوس نہ ہوتا تھا مگر اس کے بعد وہ زخم مہلک ثابت ہوا اور وہ شخص ہلاک ہوگیا۔ اصحاب امامؑ پانی لیکر واپس آگئے۔ ص۱۸۱

(۲) نافع بن ہلال کے واقعات میں جناب عباسؑ کا واقعۂ کربلا میں سب سے پہلا کارنامہ آپ کے سامنے آچکا ہے۔ یعنی آٹھویں محرم کی شب کو جب پیاس کی شدت بہت ہوئی تو سب سے پہلے ابوالفضل العباسؑ کو یہ خدمت سپرد کی گئی کہ وہ جاکر نہر سے پانی لائیں۔ امام حسینؑ نے تیس۳۰ سوار اور بیس۲۰ پیادے جناب عباسؑ کے ساتھ کئے اور بیس۲۰ مشکیں ساتھ کیں۔ یہ لوگ نہر کے قریب پہونچے۔ عمرو بن الحجاج جو پانی کا محافظ تھا سدِّراہ

ہوا۔ حضرت عباسؑ نے سواروں کی جماعت کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا اور پیادوں سے کہا تم اپنی مشکیں بھر لو۔ اُنھوں نے مشکیں پانی سے بھریں۔ اتنی دیر یہاں جنگ ہوتی رہی۔ آخر دشمن کی فوج کو شکست ہوئی اور پانی خیام حسینیؑ میں پہونچا دیا گیا۔ یہ واقعہ وہ تھا جس میں پہلی بار جناب عباسؑ نے پانی لانے کی خدمت کو انجام دیا اور "سقا" کا لقب حاصل کیا۔

(۳) امامؑ کربلا میں واجبات ہی نہیں مندوبات شرع کو بھی ادا کر رہے تھے۔ طرزِ عمل صاف اطمینان اور سکون نفس کا ترجمان تھا۔ چنانچہ نماز و تعقیبات سے فراغت کے بعد فوج دشمن میں تو جنگ کی آخری تیاریاں ہو رہی تھیں اور امامؑ ایک خیمہ میں غسل و آداب طہارت ادا کرنے تشریف لے گئے۔ عبدالرحمان بن عبدربہ انصاری، اور بُریر بن خضیر ہمدانی دونوں بزرگ اصحاب میں سے دروازہ پر بیٹھے اس انتظار میں کہ حضرتؑ باہر تشریف لائیں تو ہم خیمے میں جائیں۔ حالت یہ تھی کہ دونوں آدمی بے تکلف دوستوں کی طرح ملے بیٹھے تھے کہ شانے سے شانہ لڑ رہا تھا۔ اور آپس میں لطف آمیز جھگڑا ہو رہا تھا کہ حضرتؑ کے باہر تشریف لانے کے بعد کون پہلے خیمے میں داخل ہو الخ۔ ص۳۳۲

(۴) روز عاشور کی صبح کو ترتیب لشکر کے بعد امامؑ نے جو ایک خیمہ نصب کرایا ہے اور اس میں غسل و آداب طہارت ادا کرنے تشریف لے گئے ہیں دروازہ پر عبدالرحمان ابن عبدربہ اور بُریر کھڑے ہوئے آپس میں بے تکلفانہ باتیں کر رہے تھے۔ بُریر نے کچھ مذاق کیا عبدالرحمان نے کہا چھوڑو ان باتوں کو۔ یہ مذاق کا وقت نہیں ہے۔

تو آپ کو یاد ہوگا کہ بریر نے کیا جواب دیا؟ انھوں نے کہا کہ میں نے جوانی اور ادھیڑ عمر میں کبھی مذاق نہیں کیا مگر اس وقت میری خوشی کی انتہا نہیں۔ اس لئے بس یہ حملہ کریں اور تلواریں ہم پر پڑنے لگیں تو پھر آخرت کی دائمی زندگی ہے اور عیش و عشرت" صـ ۲۷۶

ان اقتباسات اربعہ میں اس بات پر نص صریح موجود ہے کہ آٹھویں اور یا نویں شب کو فوج یزیدی کے پہروں کے باوجود بیس۲۰ مشکیں پانی سے بھری ہوئی خیموں میں پہونچا دی گئیں۔ نیز صبح عاشور بھی پانی اس قدر کثیر مقدار میں موجود تھا کہ امامؑ نے مع متعدد اصحاب غسل فرمایا اور آداب طہارت بجالا کر مندوبات شرع ادا کئے۔

فاضل مؤلف نے ان واقعات کو اس طرح نقل فرمایا ہے کہ جس طرح وہ لوگ لکھتے رہے ہیں جو تاریخ نویسی کے فریضہ کو اپنے ہاتھ میں لینے کے باوجود نہ وہ مورخ تھے اور نہ قوانین تاریخ نویسی سے واقف تھے۔ بلکہ آپ نے قوانین تاریخ نویسی سے واقف مؤرخ کی حیثیت سے واقعات مذکورہ کو فلسفۂ تاریخ کے تحت صحیح استنتاج سے آشنا بھی فرمایا ہے۔ نافع بن ہلال کی ہمت و شجاعت، حضرت ابوالفضل العباسؑ کی سقائی پہلی بار سقا کا لقب پانا۔ امامؑ کا واجبات کے علاوہ مندوبات شرع کو بھی ادا کرنا، ان سب نتائج مہمہ کا استنتاج و استخراج کیا ہے۔ اور اپنے خیال میں اس ضرورت کو پورا کر دیا ہے جسکو سامنے رکھکر زیر بحث کتاب " شہید انسانیت " لکھی جا رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ سقیم و عقیم روایتوں پر قوانین تاریخ نویسی کا استعمال اور فلسفۂ تاریخ کے ماتحت،

لـه ۔ " شہید انسانیت " کے صـ ۲۷ پر لکھا گیا ہے کہ " جن لوگوں نے تاریخ نویسی کے فریضہ کو اپنے ہاتھ میں لیا

مشق واستنتاج عقلاً وشرعاً وعرفاً (عرض کسی قانون کے تحت) جائز و مستحسن نہیں ہوسکتی۔ فلسفۂ تاریخ کے ماتحت روایات کو آشنائے استنتاج بنانے سے پیشتر ہر مؤرخ و واقف قوانین تاریخ نویسی کا فرض ہونا چاہیے کہ اُن کی حقیقت کی آزمائش اور صحت وسقم کا امتحان کرلے۔ حُسنِ ظن یہی کہتا ہے کہ فاضل مؤرخ نے تاریخ نویسی کے فریضہ کو ہاتھ میں لینے سے پہلے اس فریضہ سے چشم پوشی نہ کی ہوگی۔ لہذا نتیجہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے خیال میں واقعات مذکورہ حقائق تاریخی کی حیثیت رکھتے ہیں اور وہ روایات جن میں یہ مذکور ہیں مستند اور معتبر ہیں۔ یہاں پہونچ کر عقل حیران ہوجاتی ہے کہ آپ کے کس بیان کی تصدیق کیجائے اور واقعات کو فلسفۂ تاریخ کے ماتحت آشنائے استنتاج کرنے کا آخر یہ کون سا طریقہ ہے کہ اجتماع متناقضین کا امکان بلکہ وقوع تسلیم کرلیا جائے۔ کبھی یہ کہا جائے کہ دشمنوں کے پہرے کی وجہ سے ایک قطرۂ آب کا ملنا بھی ناممکن تھا، اور کبھی یہ بتایا جائے کہ بیس مشکیزے پانی سے بھرے ہوئے محفوظ خیام حسینی میں پہونچا دیئے گئے۔ صبح عاشور تک اتنا پانی محفوظ تھا کہ غسل مندوب و آداب طہارت مستحبہ بھی ادا کئے گئے۔ خدا جانے ناممکن کے معنی آپ کی اصطلاح خاص میں کیا ہیں۔؟ کیا ناممکن وہ امر بھی کہا جاسکتا ہے جو تھوڑی سی جدوجہد کے بعد واقع ہوجائے۔؟ جناب عباس و نافع ابن ہلال کا پانی لانا جس تفصیل سے لکھا ہے اُس سے یہ معلوم نہیں

(صہ ۱۳ کا بقیہ) وہ مؤرخ نہیں تھے نہ تاریخ نویسی کے قوانین سے واقف تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ واقعۂ کربلا کبھی تاریخ کے ماتحت صحیح استنتاج سے آشنا نہ ہوا۔ زیر نظر کتاب اس ضرورت کو سامنے رکھ کر لکھی جا رہی ہے۔

ہوتا کہ ان حضرات کو کسی بڑی جنگ اور شدید معرکہ آرائی کا سامنا ہوا تھا۔ معمولی روک ٹوک ہوئی اور کچھ تلواروں کی ردّ و بدل۔ اصحاب امام ؑ میں سے کسی کو گزند نہ پہونچا۔ صرف ایک بدبخت کوفی بدرون کانی وجہ کے ہلاک ہوگیا تھا۔ اس صورت واقعہ کو دیکھکر فلسفۂ تاریخ کے ماتحت مشق استنتاج کرنے والے کیا ہی نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ پانی کا ایک قطرہ بھی ملنا "ناممکن" تھا۔ جو کچھ بھی ہو وہ اضطراب رائے و انتشارِ خیال و تہافت اقوال کے اس واقعہ سے اس نتیجہ کا استخراج فلسفۂ و عقل کے ماتحت بآسانی کیا جاسکتا ہے کہ فاضل مؤلف کا ذوقِ فلسفۂ تاریخ ملا صدرالدین شیرازی کے اس بیان پر چشمک کر رہا ہے۔

اول الاقاویل الحقہ الاولیۃ التی انکار جنس کل سفسطۃ ھو القول بانہ لا واسطۃ بین الایجاب والسلب (اسفار)

اقوال حقۂ اولیہ میں سے پہلا قول جس کا انکار ہر سفسطہ کی بنیاد ہے یہ قول ہے کہ ایجاب و سلب (اثبات و نفی) کے درمیان کوئی تیسری صورت نہیں ہے۔

"شہید انسانیت" کے صفحات پر ایجاب و سلب اور وجود و عدم کے درمیان تیسری صورت پیدا کرکے قوانین تاریخ نویسی کا حق ادا کردیا گیا ہے۔ اور اس کی بنا پر پانی کا ملنا ناممکن بھی تھا اور ممکن بھی۔ پانی نایاب بھی تھا اور بمقدار کثیر موجود بھی۔ اب اس کو بنا بر اصطلاح ملّا صدرا سفسطہ کہا جائے یا بموجب اصطلاح "شہید انسانیت" فلسفۂ تاریخ کے ماتحت واقعات کو آشنائے استنتاج کرنا۔

اس تمہید سے واضح ہوگیا کہ "شہید انسانیت" کا مختتم نظریہ تضاد و
تہافت نہ ہے۔ اور کم سے کم مسئلہ آب میں "شہید انسانیت" کا جواب
خود "شہید انسانیت" نہ ہے۔ یہی حال اُن رسائل کا بھی ہے جو اس کے
بعد شائع کئے گئے ہیں۔ ان میں بھی مسلک تضاد و تہافت کی حمایت کے لئے
ایک طرف اُن روایات کو سامنے لایا گیا ہے جن میں وجود آب کا
تذکرہ ہے اور یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ بلند پایہ علماء کی مقبولہ روایات ہیں۔
دوسری طرف "شہید انسانیت" کے ان صفحات کی طرف ناظرین کو توجہ کی
زحمت دی گئی ہے جن میں پانی کی نایابی بلکہ عدم امکان کا تذکرہ ہے اور
تین دن کی بھوک پیاس کی تصریح ہے۔ اگر اسی طرح کے نظریہ تضاد و
تہافت کا نام فلسفۂ تاریخ ہے تو مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ فلسفہ دین و
دانش کی دنیا میں مورخ اور اس کی لکھی ہوئی تاریخ کو بے اعتبار و ناقابل وثوق
بنا دینے کے لئے کافی ہوگا۔ کسی تاریخی واقعہ کے متعلق یہ طرز فلسفہ آرائی
ممکن ہے کہ خود مورخ کو مطمئن کر سکتا ہو مگر دیگر عقلاء و ارباب بصیرت
کے لئے سکون قلب کا باعث نہیں ہو سکتا۔ نظریہ تضاد و تناقض
پر ایمان لانا معمولی عقلوں کا کام نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے ایک خاص
ذہنیت درکار ہے۔ اور ایک جدید طرز کی نفسیاتی کیفیت کی ضرورت
ہے۔ اضطراب رائے خود صاحب رائے کیلئے جتنا بھی سکون بخش ہو
دوسرے لوگوں کو مطمئن نہیں کر سکتا۔ اس لئے شہید انسانیت اور اس کے
بعد شائع ہونے والے رسائل نے یہ ضرورت پیدا کر دی ہے کہ مسئلہ آب
پر اس عنوان سے نظر کی جائے کہ اس سے کسی مختتم نتیجہ کا حاصل ہونا ممکن ہو۔
میرا ضمیر مطمئن ہے کہ تحقیق حق و حفظ عقائد عوام کے سوا کوئی اور جذبہ اس بحث و

نظر کا داعی نہیں ہے۔ اگر انسان اپنے ضمیر کی عدالت میں صفائی پیش کرنے کے قابل ہو سکتا ہے تو اس کو اہلِ غرض کے الزام و افترا کی پروا نہ کرنی چاہئے
مسئلہ آب میں مختتم نتیجہ تک پہونچنے کے لئے چند باتوں پر غور کرنا چاہئے۔

(اول) کربلا میں قحط آب و شہدا کی شدتِ تشنگی ان تاریخی حقائق میں سے ہے جو مرتبۂ تواتر معنوی تک پہونچی ہوئی ہیں۔ جدید سے جدید دنیا کا کوئی قانون تاریخ نویسی اور کوئی فلسفۂ تاریخ اس کو اس مرتبہ سے ساقط نہیں کر سکتا۔ وہ بہرحال ایک مسلّم الثبوت حقیقت رہے گی اس کا انکار سفسطہ اور منکر سوفسطائی ہوگا۔ اگر کسی سفسطہ اور تشکیک سے یہ حقیقت مرتبۂ قطعیت و درجۂ یقین سے گر جائے تو دنیا کی کوئی تاریخی حقیقت درجۂ ثبوت قطعی و یقینی پر باقی نہیں رہ سکتی اور نہ خود تواتر مفید قطع و یقین باقی رہ سکتا ہے۔ قحط آب کی حقیقت مسلمات اہل اسلام میں داخل ہے۔ بےشمار روایات و اقوال اس کے شاہد ہیں کہ امام حسینؑ اور دیگر مسافران کربلا کی پیاس غیر معمولی اور فوق العادت شدت کو پہونچی ہوئی تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ عام شہرت اور تواتر معنوی اس کو کبھی حاصل نہ ہو سکتا یہ مرتبہ شہرت و مرتبہ تواتر اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جبکہ واقعہ کی صورت و نوعیت کوئی لاثانی خصوصیت رکھتی ہو۔ عادت انسانی اس کی شاہد ہے کہ محض دن بھر یا ایک شب و روز پانی نہ ملنا پیاس کی تکلیف میں ایسی شدت کا باعث نہیں بن سکتا جو فوق العادت ہو اور ضرب المثل بن جائے۔ وہی بات اس مرتبہ پر پہونچ سکتی ہے کہ جو مخالف عادت اور لاثانی حیثیت رکھتی ہے۔ چند اخبار و احادیث اور اقوال علماء یہاں

نقل کئے جاتے ہیں ان سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ تشنگان صحرائے کربلا کی پیاس کتنی غیر معمولی اور فوق العادت تھی۔

(۱) یا اخی جبرئیل فی ذکر الخامس ینکسر قلبی و تسیل عبرتی قال جبرئیل ولدک ھذا یصاب بمصیبۃ تصغر عندھا المصائب فقال یا اخی جبرئیل وما ھی؟ قال یقتل عطشانا غریبا وحیدا فریدا لیس لہ ناصر و لا معین ولو تراہ یا آدم وھو یقول واعطشاہ واقلۃ ناصراہ حتی یحول العطش بینہ وبین السماء کالدخان۔

(۱) خلاصہ روایت یہ ہے کہ حضرت آدمؑ نے جناب جبرئیلؑ سے فرمایا کہ اس کا سبب کیا ہے کہ جب میں پانچویں شخص کا ذکر کرتا ہوں تو میرا دل ٹوٹتا ہے اور آنسو بہنے لگتے ہیں۔ جبرئیل نے فرمایا کہ آپ کے اس فرزند پر ایسی مصیبتیں پڑیں گی جن کے مقابلہ میں مصائب دنیا ہیچ ہوں گے۔ حضرت آدمؑ نے پھر پوچھا وہ کونسی مصیبتیں ہوں گی؟ جبرئیل امینؑ نے کہا وہ پیاسا عالم غربت و تنہائی میں بے ناصر و مددگار قتل کیا جائے گا کاش آپ دیکھتے کہ کس طرح وہ واعطشاہ واقلۃ ناصراہ کہہ کر فریاد کر رہا ہے۔ اور پیاس دھواں بن کر اس کی نگاہ اور آسمان کے درمیان حائل ہے۔ (یعنی آنکھوں کے نیچے دھواں چھایا ہوا ہے۔)

اس روایت کے آخری فقرہ کے متعلق علامہ کنتوری لکھتے ہیں:۔

میں فدا ہو جاؤں اس پیاس پر جس نے کیفیت سدر کی پیدا کر دی تھی یعنی آنکھوں تلے اس جناب کے اندھیرا چھا جاتا تھا

اور یہی معنی ہیں اس حدیث کے جس میں یہ وارد ہے کہ آپ کی پیاس کا یہ عالم تھا کہ آپ کے سینہ سے دھواں سا اٹھتا تھا کہ آسمان کی درمیانی چیزیں نظر سے چھپ جاتی تھیں۔ واضح ہو کہ اس بیماری کا بخارات کی حرارت سے پیدا ہونا طبیب کو بخوبی معلوم ہے اور یہ ایسی بات نہیں ہے کہ جس میں طب کے قاعدے سے کوئی شک کر سکے۔ عام لوگ چونکہ اصلی معنی حدیث کے نہیں سمجھتے ہیں اس حدیث کو سن کر بیہودہ باتیں کہنے لگتے ہیں۔

اور کیونکر اس کی شدت بیان ہو سکتی ہے جس سے آدمی کی یہ صورت ہو جائے جو حدیث میں مذکور ہوئی جب تک کہ آدمی چند روز پیاسا نہ رہے اور کیونکر ممکن ہے کہ آپ نے شب عاشور یا صبح عاشور سے پانی نہ پیا ہو اور پیاس آپ کی مرض سدر اور تاریکی چشم پیدا کرے اس لئے کہ ہم گروہ مومنین کے خاص مراسم ضروری میں یہ بات داخل ہے کہ روز عاشورہ کو روزہ بلانیت یعنی فاقہ کرتے ہیں۔ اور آب و دانہ سے تا آخر عصر جو فاقہ شکنی کا وقت ہے باز رہتے ہیں۔ باوجودیکہ ہم لوگ نو دن کی ماتمداری میں خستہ ہو کر خاص روز عاشورہ بھی کس قدر رونے پیٹنے اور سینہ زنی اور دیگر لوازم تعزیت میں مصروف ہوتے ہیں اور اس قدر تعب اور مشقت اٹھانے کے بعد ہم لوگوں کو دسواں حصہ بھی پیاس کی اذیت نہیں پہنچتی ہے جو حضرت امام حسین علیہ السلام کو پہنچی تھی اور احادیث